سہ ماہی نئی دہلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:۳ جنوری تا مارچ ۲۰۰۹ء شمارہ نمبر:۲

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط وکتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@gmail.com / aimplboard@vsnl.net

ایڈیٹر پرنٹر وپبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	اداریہ	(حضرت مولانا) سید نظام الدین	۵
۳	مرکزی دفتر بورڈ کی مختصر سرگرمیاں رپورٹ	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	۷
۴	داڑھی کی شرعی حیثیت	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۵
۵	تطبیق شریعت	ڈاکٹر دسوقی	۲۹
۶	حسن اخلاق سیرت النبی کے آئینہ میں	شاہ قادری مصطفیٰ رفاعی ندوی	۳۵
۷	قرآن مجید کا تصور معاش اور اصلاح اقتصاد	مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی	۳۷
۸	چند حساس سماجی مسائل	مفتی محمد ارشد فاروقی	۴۴
۹	نظام قضا کا قیام اور ہندوستان	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۴۹
۱۰	تاریخ تحفظ شریعت کے درخشاں تارے	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	۵۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

کرۂ ارضی پر انسانوں کے طرز عمل کی یہ تاریخ رہی ہے کہ انسانوں کو اپنی اجتماعی زندگی میں اجتماعیت پیدا کرنے اور اس کو متعینہ نظام کے تحت لانے کے لیے کچھ اصول واقدار طے کرنے ہوتے ہیں، یہ اصول واقدار کچھ تو اپنے سے پہلے کے لوگوں کے اختیار کردہ طریقہائے زندگی سے ماخوذ ہوتے ہیں اور کچھ اس سوسائٹی کے دانشور افراد متعین کرتے ہیں، جن کو باقاعدہ طے کردیئے جانے پر ان پر عمل ضروری قرار دیدیا جاتا ہے، یہی عمل جب متمدن سطح پر انجام دیا جاتا ہے تو اس کو ملک وقوم کا دستور قرار دیا جاتا ہے، دنیا میں اسی کا رواج ہے، لیکن اس طرح کے دستور وضوابط چونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے ضروری نہیں کہ وہ مکمل واعلیٰ ترین معیار کے ہوں، اور ان میں انسان کی کامل فلاح کی پوری ضمانت ہو، یہ ضوابط اور قوانین کتنے ہی بہتر اور کامیاب ہوں اگر ان کو آسمانی رہنمائی حاصل نہ ہو تو یہ ضرورت کو احسن اور بہتر طریقہ سے انجام دینے میں کوتاہ رہتے ہیں، لیکن جو لوگ آسمانی رہنمائی کی ضرورت کو نہیں تسلیم کرتے وہ قانون سازی میں صرف اپنے انسانی علم وتجربہ پر انحصار کرتے ہوئے اسی پر اکتفاء کرلیتے ہیں، البتہ وہ جو اس ابدی حقیقت کو مانتے ہیں کہ انسانوں کو خواہ کتنے ہی دانشور ہوں اپنے بنانے والے اور پیدا کرنے والے کی ہدایت ورہنمائی کی ضرورت ہے، وہ دستور سازی میں اس کا خیال رکھتے ہیں۔

اپنے خالق ومالک کی رہنمائی ہم انسانوں کو اپنے اپنے عہد میں مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے حاصل ہوتی رہی ہے، اور یہ انبیاء ہر قوم وزمانہ میں حسب ضرورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے رہے ہیں، اور اپنے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق پیغام ہدایت و رہنمائی لاتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے جدید عہد کے لیے جو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل شروع ہوا، اس کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، ان کی رہنمائی وہدایت سے پوری انسانیت کو کامل واعلیٰ مرتبہ کی راہ حاصل ہوئی، اس کے لیے ان سے ملنے والی ہدایات کی دو بڑی خصوصیتیں سامنے آئیں، ایک تو یہ کہ دنیا کی متفرق قوموں کو یکساں طور پر راہ حق ملی اور ان کو اجتماعیت کے یکساں اصول حاصل ہوئے، دوسرے یہ کہ علم کی اہمیت بڑھی اور اس کو عمومیت اور انسانیت کے لیے خیر خواہانہ مزاج حاصل ہوا اور وہ اس لیے کہ اس کائنات کے خالق ومالک کی طرف سے علم کو روز اول سے انسان کی اہم ترین خصوصیت قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر اس کی مقدس کتاب قرآن مجید میں کیا گیا ہے، چنانچہ آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے ان کی رہنمائی اور ہدایات کے تحت دو باتیں خاص طور پر سامنے آئیں، ایک تو انسانوں کو ان کے ضابطہ حیات کے لیے ضروری علم حاصل ہوا، اور آسمانی رہنمائی عالمی سطح پر اور زندگی کی ساری وسعتوں کے لحاظ سے حاصل ہوئی، جس کا ثبوت اس شاندار تاریخ سے ملتا ہے جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل انسانوں کے تمام طبقات میں عام ہوا، اور وہ انسانی زندگی میں انسان کی انفرادی واجتماعی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے والا تھا، اور اس سے فائدہ اٹھانا اسلام کے ہر فرزند کے لیے ضروری قرار پایا تاکہ وہ

اپنے پروردگار کی طرف سے اس کے آخری نبی کے ذریعہ جو معلومات اور ہدایات اس تک پہنچی ہیں ان سے اس کو صحیح روشنی ملے اور اس کی زندگی کے طور طریق ان روایات کے خلاف نہ ہوں، یہی شریعت اسلامی ہے، اور اس کے احکام پر ذرا بھی نظر ڈالی جائے تو یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کے قوانین انسان کے فطری تقاضوں اور انسانی ضرورتوں سے ٹکراتے نہیں ہیں، بلکہ ان کو زیادہ بہتر سانچہ مہیا کرتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت عموماً ہر جگہ زندگی کو بہتر بنانے کی غرض سے جمہوریت کا نظام اختیار کیا گیا ہے، اس میں بیشتر باتیں ایک حد تک انسان کی ضرورت کے لحاظ سے رکھی گئی ہیں، لیکن اس کو خدائے واحد کے احکام اور اس کی تعلیمات کی رہنمائی حاصل کر کے مکمل طریقہ سے بہتر بنایا جا سکتا ہے، کیونکہ انسانوں کو پیدا کرنے والی ذات اقدس انسان کی ضرورتوں اور خصوصیات اور تقاضوں کو سب سے زیادہ جاننے والی ہے۔

ہندوستان کا دستور ملک کے بڑے دانشوروں کا بنایا ہوا ہے، اور اس میں ملک کے مختلف فرقوں کی رعایت رکھی گئی ہے، یہ دستور اپنے عمومی قوانین پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ اپنے اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے، اور یہاں پر ذمہ داران حکومت اس دستور کی اجازت کے پابند ہیں، لیکن ہمارے مذہبی قوانین پر عمل کرنے کرانے کی فکر اور اس کو ضروری سمجھنا اصلاً خود ہماری بھی ذمہ داری ہے، اور اس سلسلہ میں ہم پر عائد یہ ذمہ داری دو پہلو رکھتی ہے، ایک تو یہ کہ ہم سب مسلمان اپنی زندگیوں میں خود اپنے مذہبی احکام یعنی اسلامی شریعت پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں، اور دوسرے یہ کہ اگر باہر سے اس میں کوئی رخنہ ڈالا جائے یا اس میں تغیر کا مطالبہ ہو تو ہم ملک کے دستور میں ملی ہوئی اجازت کے حوالہ سے اس کا مقابلہ کریں، اس سلسلہ میں ملک کے جمہوری اور دستوری ہونے کی بناء پر ہماری جد وجہد جمہوریت اور دستور کے مطابق ہوگی اور اس طرح ہم پر امن طریقہ سے اس رکاوٹ کو دور کر سکتے ہیں، ہمارا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا، اور وہ الحمدللہ مسلمانوں کے متحدہ پلیٹ فارم کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دے رہا ہے، مسلمانوں کی شریعت میں غیروں کی طرف سے تغیر کا جو رجحان سامنے آیا تھا، اس کے مقابلہ کے لیے آج سے ۳۷ رسال قبل بورڈ کے کام کا آغاز ہوا تھا، اس دوران کئی مسئلوں میں کامیابی ملی اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے بورڈ کا دائرۂ عمل بھی بتدریج بڑھا، چنانچہ بورڈ نے متبنیٰ کے سلسلہ میں اور یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں اور مطلقہ کے نفقہ کے سلسلہ میں قانون و دستور اور جمہوری طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے جدوجہد کی، اور اب حال میں داڑھی اور پردہ کے سلسلہ میں کچھ باتیں اٹھی ہیں، ان میں بھی بورڈ ضابطہ وقانون کا لحاظ کرتے ہوئے ضروری فکر وتوجہ سے کام لے رہا ہے، اور نچلی عدالتوں کے بعض فیصلے اور اسی طرح کے بعض دیگر معاملات اور شریعت اسلامی میں مداخلت کو روکنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا خود بھی اپنی شریعت پر عمل کرنے کی طرف بھی توجہ دینے کی کوشش بورڈ کی طرف سے کی جارہی ہے، اس کے تحت اصلاح معاشرہ کا کام، تفہیم شریعت کی کوشش اور دارالقضاء کے قیام جیسی ضرورتوں کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے کمیٹیاں ہیں جو اپنی اپنی ذمہ داری کی فکر کرتی ہیں، لیکن بورڈ کے ذرائع محدود ہیں، جو کام ہوا، ان ہی محدود ذرائع کے اندر رہا، مزید کے لیے اس کو اپنے دانشور حامیوں اور دین شریعت کا صحیح جذبہ رکھنے والے لوگوں کے تعاون کی خاصی ضرورت ہے، تا کہ تحفظ شریعت کے یہ دونوں میدان صحیح طور پر لوگوں کی توجہ حاصل کر سکیں، اور اس کا حسب طلب نتیجہ سامنے آسکے، بورڈ کوئی حکومتی یا حکومت سے امداد یافتہ ادارہ نہیں ہے، اس کو خود اپنے ہم مذہب بھائیوں کے تعاون سے اپنا کام چلانا ہوتا ہے، اور ان کے تعاون کی مقدار کے مطابق ہی وہ کام انجام پاتا ہے۔

ان کاموں کی ترقی ووسعت کے لیے سب کے اور زیادہ تعاون کی ضرورت ہے، بورڈ چونکہ اعلیٰ مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے قائم ہوا تھا، وہ الحمدللہ اسی پر گامزن ہے، اس میں سارے مسلمانوں کی نمائندگی بھی ہے، اعلیٰ مقصد کے لیے کوشش اور سارے مسلمانوں کی مشترکہ نمائندگی، یہ وہ خصوصیت ہے جو الحمدللہ بورڈ کو حاصل ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک نعمت ہے، اس پر ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ ❁ ❁ ❁

اداریہ

ہندوستان میں دین کی اشاعت وحفاظت

سیدنظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اسلام کا فروغ، اسلامی علوم کی ترویج ونشر واشاعت کی ایک بڑی طویل مگر روشن تاریخ ہے، اس تاریخ میں مسلم سلطنتوں کا قیام، ان کا عروج، ان کا زوال وبکھراؤ ،ان کی داستان شکست وریخت، ان کی تعمیر کردہ اسلامی آثار، علم وعلماء کی ان کے ذریعہ سرپرستی، یہ سب کچھ تاریخ کے ابواب میں محفوظ ہے، سندھ ومالا بار سے ہوتا ہوا اسلام ہندوستان کے ہر خطہ میں داخل ہوگیا، وہ اپنی امتیازات وخصوصیات اور زریں اصولوں کی بنیاد پر ہر طرف پھیلتا چلا گیا، اہل ہند کو اسلام نے عدل ومساوات اور محبت کا درس دیا، عہد سلاطین سے عہد مغلیہ تک اور انگریزوں کی آمد سے اٹھارہ سوستاون کے غدر اور پھر ۱۹۴۷ء تک اور ۱۹۴۷ء کے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ مختلف نشیب وفراز سے گزری، مگر علماء اور صوفیا کی دینی دعوتی تربیت، اصلاحی اور تجدیدی کوششوں کے سامنے تمام مخالف کوششیں پسپا ہوگئیں اور اہل اسلام اپنی ایمانی طاقت کی بنیاد پر ملک کے گوشے گوشے میں قرآن وسنت اور شریعت کا طاقتور وابدی پیغام لئے کھڑے رہے، یہ سفر جاری رہا، اور ۱۹۴۷ء کے بعد ملک کا سیاسی نظام بدلا اور جن کے ہاتھوں میں اقتدار آیا ان کا مزاج بھی بدلا اور مسلم عائلی قوانین کو نشانہ بنایا جانے لگا چنانچہ دینی قیادت نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل اس لئے کہ تا کہ وہ مسلمانوں کے تمام مسالک اور فرقوں کو متحد کر کے مسلم پرسنل لا کے دفاع وتحفظ کا کام انجام دے سکے۔

الحمدللہ بورڈ کی کوششیں زور وشور کے ساتھ جاری وساری ہیں۔ بورڈ کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف نوع کے سماجی مسائل آنے لگے اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ نئے موضوعات جو مسائل کی صورت میں ابھر رہے ہیں بورڈ ان پر بھی ریسرچ وتحقیق کا کام کرائے اور یہ گرانقدر خدمت شریعت اسلامی کے ماہر غواص انجام دیں، بورڈ کے سامنے جہاں خود مسلم پرسنل لا کے مختلف موضوعات وعناوین پر علماء کی مجلس میں علماء کے ذریعہ مذاکرہ ومناقشہ کی ضرورت پیش آئیں وہیں اس کا بھی احساس ہوا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے گوناگوں سماجی، اقتصادی اور زندگی سے جڑے ہوئے دیگر مسائل وحالات پر شریعت اسلامی کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرانے کی بھی ضرورت ہے، اس پس منظر میں بورڈ نے اکابر علماء کی ایماء وحکمت عملی کے تحت علماء کی ایک کمیٹی کی تجویز منظور کی اور اسی تجویز کی روشنی میں آگے چل کر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی تاسیس متدین وراسخ علماء کے ذریعہ عمل میں آئی، اس تاریخی حقیقت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کہ اسلامک فقہ اکیڈمی اصلاً ہندوستان کی سب سے بڑی متحدہ ومشترکہ تنظیم بورڈ کی تحریک وتجویز پر عملاً وجود میں آئی۔

یہ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ محض دین کی حمایت ونصرت اور

دینی احکام کی تشریح وتعبیر کے لئے ملک کے کونے کونے سے فقہ و فتاوی سے تعلق رکھنے والے اہل علم جمع ہو کر نئے مسائل پر قرآن و سنت اور اصول فقہ کی روشنی میں اجتماعی طور پر غور وخوض کرتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے، ہر دینی اجتماع کے مختلف فائدے ہوتے ہیں، او رفقہی اجتماع کے تو اور بھی کئی علمی وفکری اور دعوتی فائدے ہیں۔ دراصل یہ امت امت دعوت ہے، فقہاء اور اصحاب افتاء کی ایک حیثیت داعی کی بھی ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں دعوتی کام کی اہمیت وضرورت اس کے آداب وطریقے اس کی حکمت عملی اس سے متعلق تیاری ان سارے پہلوؤں کو کسی بھی حال میں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ خیر کی طرف بلانا اور اچھائیوں کی طرف متوجہ کرنا نیکی اور ہدایت کے راستوں کی اچھے انداز سے نشاندہی کرنا اور بھٹکے ہوئے انسانوں اور انسانیت کو سوءِ حرم لے چلنے کی کوشش کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔

پورے مسلم معاشرے کو بلکہ انسانی معاشرے کو آسمانی پیغام سے روشناس کرانا۔ یہ بھی فقہاء کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔ فقہ وفتوی سے اشتغال، تعلق دلچسپی اور انہماک کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم یا وہ کتاب مبین کی طرف نہ بلائیں اور کتاب مبین کی دلائل سے گفتگو نہ کریں۔ کیونکہ یہ امت انہیں چیزوں سے خیر وصلاح پر قائم رہ سکتی ہے جن چیزوں کے ذریعہ قرن اول یعنی عہد رسالت وعہد صحابہ میں مسلم معاشرہ قائم ہوا۔

ہندوستان جیسا وسیع وعریض ملک جہاں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، جہاں مختلف خطوں میں مختلف ثقافت وکلچر بنایا جاتا ہے، جہاں بھانت بھانت کی شکلیں اور تصورات موجود ہیں، جہاں اندرون و بیرون ہر جانب سے امن وامان اور استقرار کی بنیادوں کو منہدم کرنے کی سازشیں ہورہی ہیں، اس ملک میں ہماری اور آپ کی جو ذمہ داری ہے کہ حق اور سچ کو پوری جرأت کے ساتھ پیش کریں، اگر اخلاص وکردار کی بلندی کے ساتھ باتیں کہی جائیں گی اور لکھی جائیں گی تو ہندوستان میں آباد مختلف اہل مذاہب کے درمیان بہتر تعلقات اور بہتر روابط کے قیام کے لئے اصولی وموضوعی اور مقصدی گفتگو کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں، یہ ملک مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے آباد ہے اس لئے ان کو ان کے اپنے مذہبی شعائر، رسوم و رواج، مذہب کی تبلیغ اور مذہب کی تعلیم نیز مذہب کے تحت دیئے گئے قوانین پر عمل اور اس کے نفاذ کی آزادی اور حق حاصل رہنا چاہئے، یہی اس ملک کی جمہوری خصوصیت ہوگی کہ ان سب کے ساتھ منصفانہ سلوک کرے اور سبھوں کو یکساں ترقی کے مواقع ملیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس بے شمار ادارے، تنظیمیں، تحریکیں اور مراکز ہیں، خاص طور پر بیسویں صدی میں جو تحریکیں وتنظیمیں وجود میں آئیں، وہ ملی دینی دعوتی اور علمی خدمات میں مصروف ہیں، اللہ ان سب کو ترقیات سے نوازے، انہی میں ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بھی ہے، جس کے متعین اغراض ومقاصد ہیں اور ان اہداف کی روشنی میں بے شمار کام اور منصوبہ توجہ اور تعاون کے محتاج ہیں، بورڈ کے علمی دینی، اصلاحی منصوبوں کی تکمیل کے لئے مخلص افراد اور ان کی صلاحیتیں نیز وسائل کی شدید طلب پائی جاتی ہیں، اس جانب توجہ کی ضرورت ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ بورڈ کو کامیابی سے ہمکنار کرے اور اس کے ذریعہ سے ہندوستانی مسلمانوں کو مطلوبہ نفع اور فائدہ حاصل ہو۔

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)

محمد وقارالدین لطیفی ندوی

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نئی دہلی کی طرف سے حالیہ مہینوں میں انجام پانے والے کاموں اور کارکردگی پر مشتمل ایک مختصر رپورٹ حسب ذیل ہے۔

مجلس عاملہ کا اناسیواں اجلاس:

مجلس عاملہ کا اناسیواں اجلاس جامعہ اسلامیہ بھٹکل ضلع کاروار (کرناٹک) میں مؤرخہ ۷؍فروری ۲۰۰۹ء کو منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور کی گئی:

اصلاح معاشرہ:

☆ مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری بورڈ و مرکزی کنو ینر اصلاح معاشرہ تحریک نے اصلاح معاشرہ تحریک کے سلسلہ میں کی گئی کوششوں کی رپورٹ دیتے ہوئے کہا کہ تحریکی کاوشیں اجتماعی طریقے سے ہوں تو اس کے مثبت اثرات سامنے آتے ہیں، اور اس کے لئے مسلسل کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بورڈ کی جانب سے اصلاح معاشرہ کی کوششیں جاری ہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں دختر کشی کے خلاف جو مہم چلائی، اس کے نتائج سامنے آرہے ہیں، راجستھان میں ہندی کے اشتہارات میں دختر کشی کی مذمت کی جارہی ہے، وزیراعظم اور میڈیا نے دختر کشی کے خلاف بورڈ کی کوششوں کی اہمیت کو محسوس کیا ہے۔ مگر افسوس کا پہلو یہ ہے کہ بورڈ کے معزز ارکان اور اصلاح معاشرہ کے ریاستی ذمہ دار خط کا جواب تک نہیں دیتے۔ مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے خواتین کی جانب سے اصلاح معاشرہ کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حیدرآباد میں دو خاتون ارکان کی جانب سے قابل قدر خدمات انجام دی جارہی ہیں، ان کے پروگرام سال بھر چلتے رہتے ہیں اور یہ رسائل بھی طبع کرواتی ہیں اور اصلاحی عنوانات کے اسٹیکرس بنا کر تقسیم کرواتی ہیں۔ مرکزی کنو ینر اصلاح معاشرہ تحریک نے بتایا کہ لکھنؤ میں علماء اور ائمہ مساجد کا تربیتی کیمپ منعقد ہوا جو بہت کامیاب رہا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اصلاح معاشرہ کا کام عملی اور دعوتی ہے اور اس کے لئے یقین محکم کے ساتھ محنت سے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ کی طرف سے بھی اصلاح معاشرہ کا کام چل رہا ہے اس سلسلہ میں خطابات کا انتظام کیا جاتا ہے، مولانا نے بتایا کہ کئی رسائل مختلف علاقائی زبانوں میں طبع کروائے گئے ہیں، بنگلہ زبان میں اب تک ۱۲؍کتابچے شائع ہو چکے ہیں، انہوں نے ارکان سے اپیل کی کہ انہیں بتایا جائے کہ کس طرح ان کا تعاون حاصل کیا جائے، رسالوں کی تالیف میں، مضامین لکھنے میں، ورک شاپ یا سمینار منعقد کرنے میں، ایک اور تجویز انہوں نے یہ پیش کی کہ ربط و ترسیل اور تفہیم کے لئے موجودہ ٹیکنالوجی کو اختیار کیا جائے، نیٹ ورک سے استفادہ کیا جائے، ای میل کی ڈائرکٹری ترتیب دی جائے یہ کام اگرچہ خرچیلا ہے مگر ہے بہت مفید۔ اس کے ذریعہ ہم اپنی بات پوری دنیا تک پہونچا سکتے ہیں۔ اس موقعہ پر صدر محترم نے کنڑ اور تیلگو زبان میں دو رسالوں کا اجرا فرمایا اور حیدرآباد کی خواتین کی جانب سے منعقدہ تحفظ شریعت کانفرنس کی رپورٹ کی رونمائی فرمائی۔

داڑھی:

☆ ''اسلامی نقطہ نظر سے ہر مسلمان پر داڑھی رکھنا واجب ہے،

رسول اللہ ﷺ نے خود داڑھی رکھی ہے اور داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، بہت سے مسلمانوں کے دڑاھی نہ رکھنے سے شریعت کا یہ حکم بدل نہیں سکتا جیسا کہ بہت سے مسلمانوں کے نماز نہ پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے سے نماز و روزہ کی اہمیت کم نہیں ہوتی؛ کیوں کہ کسی بھی قانون کو جاننے کا ذریعہ قانون کی معتبر کتابیں ہیں نہ کہ افراد واشخاص کا اس قانون کے مطابق عمل کرنا یا نہیں کرنا، اس لئے مرکزی حکومت کا سپریم کورٹ میں یہ بیان کہ مسلمانوں پر مذہبی نقطۂ نظر سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے، یا تو غلط فہمی پر مبنی ہے یا گمراہ کن اور مغالطہ انگیز ہے؛ اس لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا بیان واپس لے اور جیسے بعض دوسرے مذہبی فرقوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت حاصل ہے، فوج میں شامل مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت دی جائے، بورڈ کا احساس ہے کہ یہ نہ صرف مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کے دستوری حق کا تقاضہ ہے؛ بلکہ یہی سیکولرزم کی روح ہے؛ کیونکہ ہمارے ملک میں جس سیکولرزم کو قبول کیا گیا ہے، وہ یہ نہیں ہے کہ تمام مذہبی شناختوں کو مٹا دیا جائے؛ بلکہ یہ ہے کہ تمام لوگ اپنی اپنی شناخت کے ساتھ رہیں، اور ایک دوسرے کے احترام کو ملحوظ رکھیں۔''

تفہیم شریعت:

☆ گزشتہ مجلس عاملہ کی نشست کے بعد دلی میں ''تفہیم شریعت کمیٹی'' کی تشکیل عمل میں آئی، ۹ راگست ۲۰۰۸ء کو حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر صدارت مشاورتی نشست منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا احمد علی قاسمی، حضرت مولانا عمید الزماں کیرانوی، ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، مولانا محمد یعقوب خاں، ڈاکٹر قاسم رسول الیاس، جناب فیروز خاں ایڈوکیٹ، جناب بہارالدین برقی ایڈوکیٹ اور یہ حقیر شریک ہوا۔ اس نشست میں دہلی میں تفہیم شریعت کے پروگرام کے انعقاد کے سلسلہ میں ضروری امور طے پائے اور یہ بات بھی طے ہوئی کہ کنویز مرکزی کمیٹی نا خالد سیف اللہ رحمانی محترم جنرل سکریٹری بورڈ کے مشورہ سے دہلی کے لئے کنویز اور کمیٹی کا تعین کرے گا، چنانچہ سات رکنی کمیٹی دہلی شہر کے لئے تشکیل دی گئی، جس کے کنویز ڈاکٹر قاسم رسول الیاس معزز رکن بورڈ مقرر ہوئے، اس کمیٹی میں مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا عقیل غروی، مولانا قاری محمد یعقوب خاں صاحب، جناب بہارالدین برقی، مولانا محمد مزمل الحق حسینی اور جناب فیروز خان ایڈوکیٹ ارکان کی حیثیت سے ہیں، افسوس کہ دہلی کے حالات کی وجہ سے یہ کمیٹی ابھی تک وکلاء اور قانون دانوں کا کوئی باضابطہ پروگرام منعقد نہیں کرسکی، لیکن جناب قاسم رسول الیاس صاحب فروری کے اواخر میں طلاق کے موضوع پر وکلاء کی ایک نشست کا پروگرام رکھتے ہیں اور اس کے لئے معزز رکن بورڈ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب سے گفتگو بھی کر چکے ہیں کہ وہ اس موضوع پر خطاب فرمائیں۔

یکم نومبر ۲۰۰۸ء کو یوپی میں تفہیم شریعت کمیٹی کے قیام کے سلسلہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے زیر صدارت ایک خصوصی نشست منعقد ہوئی، جس میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ، جناب عبد الرحیم قریشی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، جناب ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ، حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا خالد رشید فرنگی محلی اور مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نے شرکت کی، اور طے پایا کہ مغربی یوپی کے علاقہ کو دہلی کی کمیٹی کے تابع رکھا جائے اور مشرقی یوپی کی بھی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے، چنانچہ باتفاق رائے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر بورڈ کو سرپرست، جناب ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ کو کنویز، نیز مولانا عتیق احمد بستوی اور مولانا خالد رشید فرنگی محلی کو معاون کنویز منتخب کیا گیا۔ مولانا سلمان حسینی ندوی، مولانا حمید الحسن لکھنؤ، جناب عبدالقدیر ایڈوکیٹ الہ آباد، ڈاکٹر نعیم حامد کانپور، مولانا محمد اقبال قادری اور مولانا محمد ادریس بستوی اس کمیٹی کے ارکان طے پائے۔

آج ہی بعد نماز مغرب امیر الدولہ اسلامیہ ڈگری کالج لال باغ

لکھنؤ میں صدر بورڈ کی صدارت میں تفہیم شریعت کے موضوع پر ایک بڑا اجتماع ہوا، جس میں شہر لکھنؤ کے اصحاب افتاء و قضاء اور ہائی کورٹ وسول کورٹ کے مسلمان وکلاء نے بڑی تعداد میں شرکت کی، جس میں قانون شریعت کی حکمت ومصلحت اور معقولیت پر روشنی ڈالی گئی، اس اجلاس سے صدر بورڈ، محترم جنرل سکریٹری صاحب اور اسسٹنٹ جنرل سکریٹری صاحب کے علاوہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا عتیق احمد بستوی، جناب ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ، مولانا خالد رشید فرنگی محلی، جناب شفیق مرزا اور اس حقیر نے خطاب کیا۔

حیدرآباد میں بھی تفہیم شریعت کمیٹی کے سلسلہ میں ابتدائی بات چیت ہو چکی ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ فروری یا مارچ میں باضابطہ تفہیم شریعت کمیٹی کی تشکیل ہو جائے گی، ضرورت ہے کہ ایسے مرکزی شہر جہاں ہائی کورٹ یا اس کی بینچ قائم ہو، وہاں کے ارکان بورڈ اس سلسلہ میں خصوصی توجہ کریں اور علماء وارباب افتاء اور وکلاء وقانون داں حضرات کا مشترک اجتماع رکھیں، نیز مرکزی کمیٹی نے تفہیم شریعت کے کام کا جو خاکہ تیار کیا ہے جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کن موضوعات پر گفتگو ہوگی اور تبادلۂ خیال کا طریقہ کار کیا ہوگا، اس کے مطابق پروگرام رکھیں۔ تاکہ اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہو سکیں اور احکام شریعت کے حکم ومصالح نیز اس کی فطرت انسانی، عقل اور تجربات ومشاہدات سے ہم آہنگی واضح ہو سکے۔

تفہیم شریعت کے سلسلہ میں بحمد اللہ بعض مفید اور تشفی بخش لٹریچر بورڈ سے شائع ہو چکا ہے، جیسے متبنیٰ کا مسئلہ، یتیم پوتے کی میراث، دارالقضاء کا مسئلہ، طلاق دینے کا طریقہ، دختر کشی اور پردہ وغیرہ، جن کو براہ راست بورڈ نے یا اس کی کسی ذیلی کمیٹی نے شائع کیا ہے۔ بعض موضوعات پر مختصر رسائل تیار کئے جانے ہیں، اس سلسلہ میں مختلف اہل علم سے درخواست کی گئی ہے اور اسی سلسلہ میں مولانا محمد نور الحق رحمانی (پھلواری شریف، پٹنہ) نے تعدد ازدواج کے موضوع پر رسالہ تحریر کر کے کمیٹی کے حوالہ کیا ہے، جس میں تعدد ازدواج سے متعلق شریعت کے منصفانہ احکام، اس کی اخلاقی وعمرانی ضرورت اور حکمت ومصلحت پر روشنی ڈالی گئی ہے، انشاء اللہ جلد ہی اس کی اشاعت عمل میں آئے گی۔

دارالقضاء:

☆ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس کلکتہ (۱۹۸۵ء) کے بعد دارالقضاء کے قیام واستحکام اور تحریک دارالقضاء کو قوت پہنچانے کے لئے جو اقدامات کئے گئے ان کا مختصر تذکرہ ذیل کی سطروں میں کیا جارہا ہے۔

(۱) بمبئی اور اس کے مضافات میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی نگرانی میں تین دارالقضاء پہلے سے کام کر رہے ہیں، لیکن بمبئی اپنی آبادی اور رقبہ کے اعتبار سے ایک شہر نہیں بلکہ ایک ملک ہے، نیو بمبئی کے علاقہ میں نیرول اور اس کے مضافات میں ایک دارالقضاء کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، نیرول کے حضرات کی درخواست صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں آچکی تھی، بورڈ کے قدیم ترین رکن اور دارالقضاء مالیگاؤں کے قاضی حضرت مولانا قاضی عبدالاحد ازہری دامت برکاتہم نے نیرول میں دارالقضاء قائم کرنے کے بارے میں پوری دلچسپی لی، متعدد بار نیرول تشریف لے گئے، وہاں کی جامع مسجد میں دارالقضاء کی اہمیت وضرورت پر تقریریں کیں، کار قضاء کے لئے ذہن سازی کی اور ماحول بنایا، ان کا تائیدی خط بھی صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں آیا، ۱۵/اگست ۲۰۰۸ء کو نیرول کی جامع مسجد میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے نصب قاضی کا پروگرام ہوا، نماز جمعہ سے قبل قضاء کی ضرورت واہمیت اور اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں احقر کی تفصیلی گفتگو ہوئی، صدر بورڈ دامت برکاتہم کی جانب سے جامع مسجد نیرول کے امام مولانا مفتی داؤد قاسمی کو احقر نے نیرول اور اس کے مضافات (نیو بمبئی کا علاقہ) کا قاضی مقرر کیا، مجمع کے سامنے قاضی سے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حلف لیا گیا اور عوام سے سمع وطاعت کا عہد لیا گیا، نماز جمعہ کے بعد علاقہ کے علماء، ائمہ اور عمائدین سے خطاب ہوا اور دارالقضاء کے تعلق سے ان حضرات کو ان کی ذمہ داریاں بتائی گئیں، اس پروگرام میں حضرت مولانا قاضی عبدالاحد ازہری دامت برکاتہم (مالیگاؤں) مولانا قاضی عبدالاحد فلاحی دارالقضاء خیر امت ٹرسٹ بمبئی وغیرہم نے شرکت کی۔

(۲) ۱۶، ۱۷ر اگست مہاراشٹر کے مشہور شہر پونہ میں گذرا، پونہ شہر معتدل آب وہوا اور بڑا علمی وفکری مرکز ہونے کی وجہ سے اپنی الگ شناخت رکھتا ہے، برادران وطن کی مذہبی اور سیاسی تنظیموں کا اہم ترین مرکز ہے، یہاں مسلمانوں کی بھی اچھی آبادی ہے اور یہاں کے مسلمان اپنے دینی وملی تشخص کے ساتھ زندگی گذارنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں پونہ سے وہاں قائم دو دارالقضاء کے بورڈ سے الحاق کی درخواستیں آئی تھیں۔ایک درخواست مسلم ویلفیئر سوسائٹی کے ذمہ داروں کی طرف سے جنھوں نے تقریبا ایک سال پہلے امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ کے بعض سینئر قاضیوں کو مدعو کرکے دارالقضاء قائم کرنے کا پروگرام کیا تھا اور دوسری درخواست مفتی شاکر قاسمی صاحب کی طرف سے تھی کہ ان کے مدرسہ میں قائم دارالقضاء کو بورڈ منظوری دے اور اپنی نگرانی میں لے لے۔ ۱۶ر اگست **۲۰۰۸ء** کو دونوں دارالقضاء کا معائنہ کیا گیا، جناب قاضی عبدالاحد فلاحی صاحب سفر پونہ میں ہمراہ تھے، انہوں نے بھی فائلوں اور کاغذات کا جائزہ لیا۔

۱۶ر کو عصر کی نماز کے بعد جناب مولانا مفتی شاکر قاسمی صاحب کے مدرسہ میں مختلف پروگرام بھی ہوا۔ رات میں اسلام کے نظام عدل اور دارالقضاء کے موضوع پر شاندار پروگرام ہوا، شہر کا بہت منتخب مجمع اجلاس میں موجود تھا، تمام طبقات اور مکاتب فکر نیز مدارس کے نمائندے اس میں بڑی تعداد میں موجود تھے، مسلم ویلفیئر سوسائٹی کے سرگرم ارکان نے اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی محنت کی۔

۱۷ر اگست **۲۰۰۸ء** کو دن میں شہر کے ایک بڑے ہال میں جناب فخرالدین صاحب زیدمجدہم نے عظیم الشان جلسہ تقسیم اسناد رکھا تھا، فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی کی گئی، مدارس کی اہمیت وافادیت، دینی تعلیم اور دہشت گردی وغیرہ موضوعات پر تقریریں ہوئیں، تقریبا ڈیڑھ بجے جلسہ ختم ہوا اور شام کے وقت بمبئی واپسی ہوئی، الحمد للہ پونہ کے اس دوروزہ پروگرام کا بڑا فائدہ رہا، پورے شہر اور علاقہ میں دارالقضاء کے بارے میں بیداری پیدا ہوئی، اور جو لوگ دارالقضاء کی مہم میں لگے ہوئے ہیں انہیں بڑا حوصلہ ملا۔

(۳) مشہور داعی مولانا کلیم صدیقی صاحب کی طرف سے پھلت اور سونی پت میں دارالقضاء قائم کئے جانے کی درخواست بہت پہلے صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں آچکی تھی، پھلت اور سونی پت دونوں جگہ مولانا کلیم صدیقی صاحب کی زیر نگرانی دو بڑے مدرسے چل رہے ہیں، دونوں مقامات کا جائزہ لے کر دارالقضاء کمیٹی حضرت صدر بورڈ دامت برکاتہم کی ایماء پر قیام دارالقضاء کا فیصلہ کرچکی تھی، لیکن نصب قاضی کا پروگرام بعض موانع کی وجہ سے ٹلتا جارہا تھا۔ کمیٹی یہ بھی فیصلہ کرچکی تھی کہ پھلت میں سہ روزہ تربیت قاضی کیمپ بھی کیا جائے جس میں مغربی یوپی دہلی، ہریانہ کے علماء کو شرکت کی دعوت دی جائے۔

پھلت اور سونی پت کا پروگرام طے پایا، مورخہ **۸ر تا ۱۰ر** نومبر **۲۰۰۸ء** بروز **ہفتہ تا پیر** کو پھلت ضلع مظفر نگر میں سہ روزہ تربیت قضاء کا پروگرام منعقد ہوا جس میں تقریبا سو علماء نے شرکت کی، قضاء کی تربیت اور محاضرات کے لئے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری، سینئر قاضی امات شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ اور حضرت مولانا قاضی عبدالجلیل صاحب، قاضی مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے شرکت فرمائی۔

ان دو حضرات کے علاوہ حضرت مولانا عبیداللہ اسعدی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ ورکن دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور جناب مولانا قاضی محمد کامل قاسمی قاضی شریعت جنوبی دہلی نے بھی اس تربیتی پروگرام میں مکمل شرکت فرمائی اور اپنے محاضرات اور تجربات سے شرکاء کو مستفید کیا، حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب کے ایمان افروز داعیانہ کلمات سے اس پروگرام کی افادیت میں اضافہ ہوا، جناب مولانا کلیم صدیقی صاحب اور جامعہ شاہ ولی اللہ دہلوی پھلت کے مہتمم جناب مولانا محمد طاہر ندوی وہاں کے اساتذہ جناب مولانا وصی سلیمان ندوی اور جناب مولانا عاشق پھلتی وغیرہم نے اس تربیتی پروگرام کو کامیاب بنانے میں بڑی جد وجہد کی، آخری دن بعد نماز مغرب جامعہ شاہ ولی اللہ کی

وسیع وعریض مسجد میں بڑا عوامی اجتماع ہوا، جس میں اہالیان پھلت کے علاوہ قرب وجوار کے قصبات اور دیہاتوں سے بڑی تعداد میں مسلمانوں نے شرکت کی، اسلام کے نظام عدل اور نظام قضاء کی ضرورت واہمیت دارالقضاء کے دینی وملی فوائد پر خطابات ہوئے، اسی اجتماع میں صدر بورڈ دامت برکاتہم (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) کی جانب سے احقر نے مولانا مفتی عاشق ندوی صاحب پھلتی کو ضلع مظفر نگر کا قاضی مقرر کیا۔اس طرح پھلت کے اس تاریخی قصبہ (جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مولد ومنشا ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو بے شمار علماء وصلحاء کا وطن رہا ہے) یعنی فریضہ قضاء کا احیاء عمل میں آیا، یہ دارالقضاء، جامعۃ الشاہ ولی اللہ پھلت ہی میں قائم ہے۔

(۴) ۳رنومبر کی صبح کو پھلت کا یہ قافلہ صوبہ ہریانہ کے شہر سونی پت کی طرف روانہ ہوا، جو پھلت سے بہت دور نہیں ہے، وہاں بھی دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا... تقسیم ہند سے قبل ان شہروں میں سے تھا جن میں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی، بڑا علمی ودینی مرکز تھا، تقسیم ہند کے سانحہ میں پنجاب کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح یہ شہر بھی مسلمانوں سے تقریبا خالی ہوگیا، کچھ آبادی پاکستان منتقل ہوگئی، کچھ نے خاک وخون میں تڑپ کر جام شہادت نوش کیا، ایک بڑی تعداد نے خوف ودہشت کی تاب نہ لاکر نعوذ باللہ ارتداد میں عافیت سمجھی، اب بھی سونی پت کی بہت سی ویران اور مقبوضہ مساجد وآثار کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے، الحمدللہ رفتہ رفتہ سونی پت کی رونق کچھ واپس آرہی ہے، مزدور پیشہ اور ملازمت پیشہ مسلمانوں کی ایک تعداد یہاں آباد ہے، آس پاس کے بہت سے مسلمان بھی سونی پت میں آباد ہوگئے ہیں، مرتدین کو اسلام میں واپس لانے کی بھی کچھ کوششیں جاری ہیں جو کچھ نہ کچھ کامیاب ہورہی ہیں، بعض مقبوضہ مساجد کی واگذاری بھی ہوگئی ہے۔

مولانا کلیم صدیقی صاحب کی نگرانی میں ایک اچھا تعلیمی ادارہ جامعۃ الامام الربانی قائم ہے جہاں درجات پرائمری، حفظ اور عربی کی متوسطات تک تعلیم ہوتی ہے، ماشاءاللہ بارونق اور آباد ادارہ ہے۔

اسی ادارہ کی نوتعمیر وسیع مسجد میں نصب قاضی کا جلسہ ہوا، مقامی علماء کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری، حضرت مولانا عبیداللہ اسعدی اور حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب کے بیانات ہوئے، احقر نے مختصر گفتگو کے بعد مولانا مفتی محمد ارشاد ندوی کو ضلع سونی پت کے لئے صدر بورڈ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی طرف سے بحیثیت قاضی نامزدگی کا اعلان کیا، نصب قاضی کا یہ پروگرام نماز ظہر سے قبل مکمل ہوا، الحمدللہ پھلت اور سونی پت کے دارالقضاء اپنی کارکردگی کا آغاز کرچکے ہیں، دونوں جگہ متعدد مقدمات دائر ہوکر زیر کارروائی ہیں۔

(۵) ۱۳راکتوبر ۲۰۰۸ء کو دارالقضاء جنوبی دہلی کی منتظمہ کمیٹی کے ساتھ بورڈ کے مرکزی آفس میں ایک نشست رکھی گئی جو حضرت جنرل سکریٹری صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں ہوئی، جناب مولانا عبیداللہ الاسعدی صاحب نے بھی اس میں شرکت کی، شہر دہلی میں توسیع دارالقضاء کے بارے میں مشورہ ہوا، ایک کمیٹی قائم کی گئی جو دوماہ میں جائزہ کے بعد اپنی رپورٹ پیش کرے گی اور دہلی کے ان مقامات کی نشاندہی کرے گی جہاں دارالقضاء قائم کرنے کی ضرورت ہے اس کے وسائل وامکانات بھی موجود ہیں۔

(۶) بوڑیہ یمنا نگر ہریانہ میں دارالقضاء قائم کرنے کی بات چیت دو سال سے چل رہی ہے، بعض مقامی رکاوٹوں کی وجہ سے اب تک دارالقضاء کا قیام عمل میں نہیں آسکا، پیر جی حافظ حسین احمد قادری صاحب دامت برکاتہم نے خوشخبری سنائی ہے کہ رکاوٹیں الحمدللہ دور ہوچکی ہیں اور ان شاءاللہ تعالیٰ مارچ ۲۰۰۹ء ہی میں وہ قیام دارالقضاء کا پروگرام کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) کنوینر دارالقضاء کمیٹی آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی طرف سے بورڈ کے اراکین کی خدمت میں ایک مکتوب بورڈ کے مرکزی آفس سے روانہ کیا گیا۔ الحمدللہ بورڈ کے دس بارہ موقر اراکین نے اس مکتوب کا جواب تحریر فرمایا، بعض مفید تجویزیں پیش فرمائیں اور بعض حضرات نے اپنے مقامات پر قیام دارالقضاء کی پیشکش فرمائی، بورڈ کے نائب صدر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا، دارالعلوم دیوبند میں حضرت والد

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں دارالقضاء قائم تھا پھر بعض اسباب کی بنا پر یہ کام موقوف ہوگیا، دارالعلوم وقف میں ایسے اصحاب علم موجود ہیں جنہیں یہ خدمت سپرد کی جاسکتی ہے، یہاں دارالعلوم وقف میں دارالقضاء کا قیام کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے یہ بہترین پیشکش ہے، ان شاءاللہ تعالیٰ کمیٹی حضرت سے رابطہ کرکے اس کا نظام اور پروگرام بنائے گی بلکہ ارکان کمیٹی کی یہ بھی خواہش اور کوشش ہوگی کہ دیوبند میں ایک تربیت قضاء کیمپ بھی منعقد ہوتا کہ ہمارے نوجوان اصحاب افتاء اس کام کی اہمیت وضرورت اور طریقہ کار سے واقف ہوں اور ان کے ذریعہ پورے ملک میں اس کام کو پھیلایا جاسکے۔

(۸) رکن بورڈ مولانا خالد رشید فرنگی محلی نائب امام عیدگاہ عیش باغ لکھنو نے صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں تحریر پیش کی تھی کہ ان کے ادارے میں قائم دارالقضاء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ منظوری دے اور اس کی نگرانی کرے، صدر بورڈ کے حکم پر ان کے ادارے میں قائم دارالقضاء کا جائزہ لیا گیا اور مرکزی دارالقضاء اتر پردیش لکھنو سے اس کا الحاق منظور کیا گیا، لکھنؤ مسلمانوں کی گھنی آبادی والا کافی رقبہ میں پھیلا ہوا شہر ہے، اس میں ایک سے زائد دارالقضاء کی ضرورت تھی، ان شاءاللہ تعالیٰ شہر میں ایک نئے دارالقضاء کے باضابطہ بحال ہونے پر لکھنؤ کے مسلمانوں کو سہولت ہوگی۔

لازمی نکاح رجسٹریشن:

☆ اجلاس مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ منعقدہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک) مؤرخہ ۷؍فروری ۲۰۰۹ء سپریم کورٹ کی ہدایت پر کئی ریاستوں میں نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا قانون منظور کیا جاچکا ہے، اس سلسلہ میں نیشنل ویمن کمیشن نے بھی لازمی رجسٹریشن سے متعلق ایک مسودہ قانون ترتیب دیا جسے اس نے متعلقہ وزارت منسٹری آف چائلڈ اینڈ ویمنس ویلفیر کی معرفت وزارت قانون کو بھیج دیا تاکہ وزارت قانون اسے ایک بل کی شکل دے کر پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون بنوائے تاہم مصدقہ اطلاعات کے مطابق یہ بل اس وقت پارلیمنٹ کے سامنے قانون سازی کے لئے موجود نہیں ہے۔ البتہ مہاراشٹر، گجرات، آندھرا پردیش، اور کرناٹک میں لازمی رجسٹریشن کے قوانین پہلے سے موجود ہیں۔ فروری ۲۰۰۶ء کی سپریم کورٹ کی ہدایت کے بعد آسام، مغربی بنگال، اڑیسہ، بہار، اور میگھالیہ کی ریاستوں نے مسلمانوں کے لئے نکاح کے رجسٹریشن کے جو اختیاری قوانین موجود تھے ان کو لازمی قرار دے دیا۔

نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا مسئلہ بورڈ میں کئی بار اٹھا جس پر بورڈ کی مجلس عاملہ نے متعدد فیصلے کئے، کولکاتہ اجلاس منعقدہ ۲۹؍فروری تا یکم و دو مارچ ۲۰۰۸ء میں اس سلسلہ میں بورڈ کی قائم کردہ کمیٹی نے مختلف ریاستوں کے لازمی رجسٹریشن سے متعلق قوانین نیز ویمن کمیشن کے مجوزہ مسودہ قانون کا تفصیلی جائزہ لے کر اپنی سفارشات پر مبنی رپورٹ اجلاس میں پیش کی تھیں جسے بورڈ نے منظوری دی تھی۔

کمیٹی نے جہاں مذکورہ بالا ریاستوں کے قوانین پر بورڈ کے موقف کی روشنی میں اپنی سفارشات مرتب کی تھیں وہیں اس پورے مسئلہ پر بھی مجموعی طور پر اپنی سفارشات بورڈ کے سامنے رکھی تھیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بنیادی طور پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نکاح کے رجسٹریشن کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان میں رجسٹریشن کا مسئلہ اٹھنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں بھی اس نقطہ نظر کا اظہار کر چکا ہے کہ نکاح کے ریکارڈ کو محفوظ کرنے کا نظم قائم کرنا نہ صرف درست بلکہ مستحسن ہے۔

۲۔ البتہ موجودہ حالات میں رجسٹریشن کو لازمی قرار دینا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ لزوم گویا نکاح کے انعقاد کے لئے ایک شرط کا اضافہ کرنے کے مترادف ہے، نیز دیہات وقریہ جات اور دور دراز علاقوں میں رجسٹریشن کے انتظام دشوار ہے اور خطرہ ہے کہ اس کی وجہ سے نکاح صحیح طور پر منعقد ہونے کے باوجود بدنیت لوگوں کو اس سے انکار کا موقع فراہم ہوجائے گا۔

۳۔ بورڈ کا موقف یہ ہے کہ رجسٹریشن کو ثبوت نکاح کے لئے ہرگز شرط کا درجہ حاصل نہیں ہونا چاہئے بلکہ شرعی اصولوں کے مطابق انعقاد نکاح کا ثبوت فراہم کردیا جائے تو اسے قابل قبول ہونا چاہئے۔

۴۔ یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح کے لئے جو رجسٹریشن کے لئے جو فارم بنے اس میں اس مذہب کے ماننے والوں کے طریقہ کار اور شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جیسے مسلمانوں کے رجسٹریشن فارم میں گواہوں، مہر وغیرہ کا ذکر ضروری ہے اور ایسی تنقیحات بھی قائم کرنا ضروری ہے جو موانع نکاح سے خالی ہونے کو واضح کرتی ہوں۔

۵۔ بورڈ کا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ جن علاقوں میں پہلے سے رجسٹریشن کے لئے قضاۃ کا نظام جاری ہے وہاں اس کو رجسٹریشن کے لئے کافی سمجھا جائے اور جہاں نہیں ہے وہاں بھی ائمہ مساجد، دینی تنظیموں کے دفاتر اور جو لوگ بحیثیت قاضی اندراج کرائیں ان کو نکاح کے حق میں رجسٹرار یا رجسٹریشن کا مجاز تسلیم کیا جائے، اس سے نہ صرف یہ بات آسان ہو سکے گی کہ شریعت اسلامی کے مطابق تمام شرائط واحکام کی رعایت کرتے ہوئے نکاح ہو بلکہ حکومت کو بھی اس سے سہولت ہوگی اور دور دراز کے علاقوں میں رجسٹریشن ہو سکے گا۔

۶۔ چونکہ نکاح کے رجسٹریشن کا قانون مرکزی سطح پر بھی بننے جارہا ہے اور ریاستوں میں بھی بن رہا ہے یا پہلے سے موجود ہے اوران میں بعض ترمیمات ہمارے نقطہ نظر سے ضروری ہیں اس لئے بورڈ ایک مرکزی کمیٹی اور مختلف ریاستوں میں جہاں یہ مسئلہ ہے ریاستی کمیٹیاں تشکیل دے جو اس مسئلہ پر حکومت سے نمائندگی کر سکیں اور مذکورہ بالا خطوط کے مطابق اس قانون کو بنوانے کی کوشش کرے، اس کمیٹی میں لازماً ایک قانون داں اور ایک عالم دین بھی ہونا چاہئے تا کہ قانونی وفقہی پہلوؤں پر غور کرنے میں سہولت ہو۔

بورڈ کی عاملہ اور بعد ازاں اجلاس ارکان نے ان سفارشات کو قبول کرتے ہوئے مذکورہ چار رکنی کمیٹی کو ہی مرکزی سطح پر بننے والے قانون کے مسئلہ پر بورڈ کی نمائندگی کرنے کا مجاز قرار دیا نیز صدر بورڈ کو اس بات کا اختیار دیا کہ وہ ان ریاستوں میں جہاں قانون سازی ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے بورڈ کی جانب سے ریاستی کمیٹیاں تشکیل دیں تا کہ وہ بورڈ کے نقطہ نظر کے مطابق قانون بنوانے یا ترمیم کروانے کی کوشش کریں۔

جہاں تک مرکزی سطح پر بننے والے قانون کا تعلق ہے کنوینر کمیٹی نے اپنے ذرائع سے یہ جاننے کی کوشش کہ آیا اس وقت یہ بل پارلیمنٹ کے سامنے موجود ہے یا فروری ۲۰۰۹ء کے متوقع اجلاس میں پیش کیا جا سکتا ہے تو پتہ چلا کہ نہ تو اس وقت اس طرح کا کوئی بل پارلیمنٹ کے سامنے موجود ہے اور نہ ہی الیکشن سے پہلے ہونے والے مختصر پارلیمانی اجلاس میں پیش کیا جا سکتا ہے، اس لئے حکومت سے نمائندگی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس لئے کہ موجودہ حکومت کی میعاد تقریباً ختم ہونے والی ہے، اگر نمائندگی کی ضرورت ہوئی تو آنے والی حکومت سے بورڈ نمائندگی کر سکتا ہے۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ریاستی قوانین میں مطلوبہ ترمیمات (جس کی تفصیل کولکاتہ اجلاس میں پیش کی جا چکی ہیں) کروائی جائیں۔ اس لئے صدر محترم سے گذارش ہے کہ وہ ان ریاستوں میں کمیٹیاں تشکیل دیں۔ یہ کمیٹیاں مرکزی کمیٹی کے تعاون سے اس کام کو انجام دے سکتی ہیں۔

مجموعہ قوانین اسلامی کمیٹی:

☆ ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس سلسلہ میں چار کام ہیں جن پر کوششیں ہو رہی ہیں:

۱۔ اس مجموعہ میں شافعی نقطۂ نظر پر حاشیہ پر اضافہ۔

۲۔ اس مجموعہ میں مسلک اہل حدیث کی آراء کا حاشیہ میں اضافہ۔

۳۔ اس مجموعہ میں حاشیہ پر فقہ جعفری کا اضافہ۔

۴۔ مجموعہ قوانین اسلامی کی بعض دفعات اور عبارتوں سے متعلق جسٹس شاہ محمد قادری سابق جج سپریم کورٹ کے بعض مخلصانہ ملاحظات پر غور۔

ان امور کے سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی ہے وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ فقہ شافعی کے اضافہ کا کام مولانا عبدالباری ندوی (بھٹکل) کے حوالہ کیا گیا تھا، ۷/جنوری ۲۰۰۹ء کو انہوں نے بورڈ کے دفتر کو جواب دیا ہے کہ یہ کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے اور فون پر ان کی جانب سے امید ظاہر کی گئی ہے کہ فروری یا مارچ میں وہ اس کام کو بورڈ کے حوالہ کر دیں گے۔

۲۔ مسلک اہل حدیث کے اضافہ کے سلسلہ میں مولانا اصغر علی امام

مہدی سلفی ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے ۱۹/جنوری ۲۰۰۹ء کو لکھا گیا ہے کہ یہ کام اپنے آخری مرحلہ میں ہے اور آئندہ مارچ تک مکمل کر کے ارسال کر دیا جائے گا۔

۳- مولانا عقیل غروی صاحب ان دنوں پڑوسی ملک کے سفر پر ہیں، فقہ جعفری کا کام انہیں حوالہ کیا گیا تھا، مولانا غروی کے برادر بزرگ مولانا ذیشان ہدایتی کی اطلاع کے مطابق کئی ماہ پہلے کام کی تکمیل ہو چکی ہے، لیکن ان کے حسب قول استخارہ اس کے حوالہ کرنے سے منع کر رہا ہے۔ انشاءاللہ مولانا غروی کی واپسی پر ان سے گذارش کی جائے گی کہ جو کام ہوا ہے اسے بورڈ کو عنایت فرمائیں۔

۴- جسٹس شاہ محمد قادری صاحب کے ساتھ جناب عبدالرحیم قریشی صاحب کی اور اس حقیر کی کئی نشستیں ہوئیں، جس میں ان کے ملاحظات نوٹ کئے گئے، پھر راقم الحروف نے اسے مرتب کر کے لیگل کمیٹی کے ارکان کو بھیجا ہے، جس میں متعدد علماء شامل ہیں، جو بورڈ کے معزز ارکان بھی ہیں۔ ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۸ء کو اس سلسلہ میں مکتوب اور جسٹس قادری صاحب کے ملاحظات بھیجے گئے ہیں اور درخواست کی گئی ہے کہ تحریری طور پر اپنی رائے ارسال فرمائیں تاکہ اس سلسلہ میں لیگل کمیٹی کی کوئی میٹنگ رکھی جا سکے۔ بہر حال محترم جنرل سکریٹری صاحب کے مشورہ سے انشاءاللہ جلد ہی اس سلسلہ میں لیگل کمیٹی کی نشست رکھی جائے گی اور حسب مشورہ علماء اور ارباب افتاء سے بھی بعض مسائل میں، خاص کر نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف او راس کے احکام واثرات کے بارے میں استفادہ کیا جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کاموں کو جلد سے جلد پورا کرا دے اور امید ہے کہ اس سلسلہ میں تمام متعلق حضرات کا بورڈ کو تعاون حاصل رہے گا۔

بابری مسجد مقدمات ولبراہن کمیشن:

☆ بورڈ کی مختلف کمیٹیوں کی کارکردگی رپورٹ کے سلسلہ میں سب سے پہلے جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ نے بابری مسجد کی حقیت کے مقدمہ کی موجودہ صورتحال کو پیش کیا۔ اور بتایا کہ پچھلے اجلاس کے وقت ان کی جانب سے بحث چل رہی تھی۔ لیکن عدالت کی بنچ سے ایک جج کو سبکدوش کیا جانا دوسرے جج کی تقرری تک بحث رک گئی اور نئے جج کی بنچ میں شمولیت کے بعد کی گئی بحث کے مختلف نکات کو دہرانا پڑا، بحث اب بھی جاری ہے اور امکان ہے کہ ہفتہ عشرہ میں مسلمانوں کی جانب سے بحث مکمل کر لی جائے گی، عدالت نے ہندو فریقین کی بحث کے لئے ۲/مارچ کی تاریخ مقرر کر دی ہے اور اس صورتحال میں یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ ماہ جون یا جولائی میں اسی سال اس مقدمہ کا فیصلہ سامنے آجائے گا۔ جناب جیلانی صاحب نے بتایا کہ مسلم فریقین کی طرف سے بابری مسجد کے موقف کی تائید میں اور اس بات کی تائید میں کہ یہ ۱۵۲۶ء سے مسجد ہی رہی ہے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں بت بٹھانے کے دن تک اس میں نماز ادا کی جاتی رہی ہے، عدالت کے سامنے پولس اور ریونیو کا سرکاری ریکارڈ پیش کیا جا چکا ہے۔ مسلم فریقین کی طرف سے ۳۳/گواہ پیش ہوئے جن میں ۱۱/غیر مسلم اصحاب ہیں جن کا شمار ملک کے نامور مؤرخین اور ماہرین آثار قدیمہ میں ہوتا ہے، ہندو فریقین کی جانب سے ۵۴/گواہ پیش کئے گئے جن میں کوئی بھی غیر ہندو نہیں ہے اور ان گواہوں کے بیانات میں باہم بڑا تضاد پایا جاتا ہے، اس لئے ہم توقع رکھتے ہیں کہ شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دیا جائے تو فیصلہ ہمارے حق میں آئے گا۔

بابری مسجد کے انہدام کے تعلق سے رائے بریلی میں چل رہے فوجداری مقدمہ کے بارے میں جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ نے بتایا کہ مجسٹریٹ کے تبادلہ کے بعد دوسرے مجسٹریٹ کی تقرری نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس فوجداری کیس کی سماعت رکی ہوئی ہے۔ نیز یہ کہ پچھلے گواہ پیش کرنے کے بعد اور گواہوں کی شہادت ریکارڈ کروانے کا C.B.I کو موقع تھا لیکن اس نے اس فوجداری مقدمہ کو آگے بڑھانے میں غیر ضروری طور پر تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ صدر بورڈ حکومت ہند کو توجہ دلائیں کہ C.B.I کو ضروری ہدایات جاری کرے۔

جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ

بابری مسجد کی شہادت کے اسباب و واقعات اور اس کے انہدام کی ذمہ داری کی تحقیق و تفتیش کے لئے جسٹس لبراہن صاحب کو کمیشن آف انکوائری مقرر کیا گیا تھا۔ اس انکوائری کی ساری کارروائی ۲۰۰۴ء میں مکمل ہوگئی، بورڈ کی طرف سے زبانی بحث کے علاوہ تحریری بحث بھی داخل کی گئی، اتنے برس گذرنے کے باوجود جسٹس لبراہن صاحب نے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش نہیں کی اور حکومت ہر چھ ماہ پر اس کی توسیع کر رہی ہے، گذشتہ اجلاس میں طے کیا گیا تھا کہ جسٹس لبرہان صاحب سے مل کر اس سلسلہ میں بات کی جائے لیکن جسٹس لبرہان صاحب نے دہلی کی سکونت تقریبا ترک کر دی ہے اس لئے کوشش کے باوجود ان سے ملاقات کے لئے وقت نہیں لیا جا سکا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ یو پی اے حکومت نہیں چاہتی کہ اس کے دور حکومت میں یہ رپورٹ پیش ہو۔ کمیشن کی رپورٹ کے سلسلہ میں بات کرنے کے لئے وزیر قانون مسٹر بھاردواج سے وقت لے لیا گیا ہے، ان شاء اللہ عنقریب ان سے اس موضوع پر گفتگو ہوگی۔

بورڈ کے وفد کی ارجن سنگھ سے ملاقات:

۲۴ر فروری کی شام چار چالیس پر مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل شری ارجن سنگھ سے بورڈ کے ایک وفد نے محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی کی قیادت میں ملاقات کی جس میں بورڈ کے خازن جناب پروفیسر ریاض عمر صاحب اور رکن بورڈ جناب محمد ادیب صاحب تھے جہاں درج ذیل میمورنڈم پیش کیا گیا۔

Shri Arjun Singh

Minister for Human Resources

Govt. of India

New Delhi

Sub:- Proposal to introduce bill for establishing Central Madarassa Board-Opposition by the muslim all over the country Reg.

Dear Sir,

The All India Muslim Personal Law Board which met at Bhatkal (Karnataka) on Feb 7, 2009 had noted with regret that in spite of the opposition by the muslims, the government is proceeding to legislate in this regard. The Executive Committee has reiterated its demand that the government should not do anything to control and to interfere with the administrative or academic matters of deeni madaris and should stop its endeavor to form the Central Madarassa Board. The Executive Committee felt that any attempt in this direction will certainly amount to infringement of fundamental rights of the muslim minority enshrined in Art. 25, 26 and 30 of our Constitution.

Hence we again request you to shelve the proposal to form Central Madarassa Board and to publicly declare that the government has no intention of forming any Madarassa Board

Yours sincerely

1- M.A. Rahim Quraishi
(Asst. General Secretary)

2- Prof. Riaz Umar

(Treasurer)

3- Md. Asaduddin Owaisi, M.P.
(Member Working Committee)

4- Mohd. Adeeb, M.P.
(Member)

اس ملاقات میں ارجن سنگھ جی سے ہونے والی گفتگو پر مشتمل تفصیلی رپورٹ حسب ذیل ہے۔

مجوزہ مدرسہ بورڈ کے تعلق سے بورڈ کے وفد کی مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل سے ملاقات:

جناب محمد ادیب صاحب ایم پی رکن بورڈ نے بورڈ کے وفد سے ملاقات کے لئے مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل شری ارجن سنگھ سے ۲۴؍فروری ۲۰۰۹ء کو شام چار چالیس کا وقت مقرر کروایا تھا، اس وفد میں محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، پروفیسر ریاض عمر صاحب اور محمد ادیب صاحب شامل تھے۔ جناب اسد الدین اویسی صاحب ایم پی لوک سبھا اقلیتی تعلیمی بل پر بحث کی وجہ سے شامل نہ ہوسکے، وفد کی ملاقات شری ارجن سنگھ سے پانچ بجے شام ان کے مکان پر ہوئی۔ وفد کی جانب سے بتایا گیا کہ مرکزی وزراء میں وہ ایک ایسی شخصیت ہیں جن کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ اقلیتوں اور خاص طور پر مسلم اقلیت کے مسائل کے بارے میں ہمدردانہ رویہ رکھتے ہیں اور بجا طور پر مسلمان یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی وزارت ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائے گی جو مسلمانوں کے لئے ناپسندیدہ ہو لیکن مرکزی مدرسہ بورڈ کے سلسلہ میں یہ بات غلط ثابت ہورہی ہے کیونکہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور علماء کرام کی جانب سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی مخالفت کے باوجود اس سلسلہ میں ان کی وزارت قانون سازی کرنے جارہی ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ میں اس پر گہرے تاسف کا اظہار کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کے خلاف جو موقف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلمانوں کا ہے اس سے دوبارہ مرکزی حکومت کے متعلقہ ارباب کو واقف کرایا جائے۔ اسی سلسلہ میں یہ وفد مل رہا ہے۔ وفد نے ایک تحریر بھی ان کے حوالہ کی جو درج ذیل ہے۔

شری ارجن سنگھ نے بتایا کہ ان کی کوشش مدرسوں کے تعلیمی امور میں مداخلت کی نہیں بلکہ مدرسوں کو مالی حیثیت سے مستحکم کرنا ہے، ان سے کہا گیا کہ مالی استحکام کو بنیاد بنا کر دینی مدارس کے امور میں مداخلت شروع ہوجائے اور آئندہ کسی ایسی پارٹی کی حکومت برسر اقتدار آئے جو اقلیتوں کے وجود اور ان کی انفرادیت کی مخالف ہو تو انہی اقدامات کے ذریعہ مدارس کی دینی حیثیت اور شناخت ختم کی جاسکتی ہے، شری ارجن سنگھ نے کہا پارلیمنٹ مزید دو دن چلے گی اور اس کے بعد ختم ہوجائے گی، پارلیمنٹ کے جاریہ اجلاس میں مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے کوئی مسودہ قانون پیش نہیں ہوگا اور اگر آئندہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش کرنی ہو تو مسلمانوں کے اہم اداروں اور شخصیتوں کو پوری طرح اعتماد میں لے کر ایسا قدم اٹھایا جائے گا اور کوشش اس بات کی بھی کی جائے گی کہ ایسے کسی قانون کا سہارا لے کر دینی مدارس کی دینی حیثیت اور شناخت کو ختم نہ کیا جاسکے، انہوں نے وفد سے کہا کہ وہ جسٹس محمد سہیل اعجاز صدیقی صدر نشین کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات سے ملاقات کرے کیونکہ وہ اس سلسلہ میں قانون کا مسودہ مرتب کررہے ہیں اور وہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں سے واقف ہیں، وفد کو اس بات کا اطمینان حاصل ہوگیا کہ پارلیمنٹ کے جاریہ اجلاس میں مرکزی مدرسہ بورڈ کے بارے میں کوئی مسودہ قانون پیش نہیں ہوگا۔ اور جاریہ اجلاس کے بعد لوک سبھا تحلیل ہوجائے گی اور لوک سبھا کے عام الیکشن کے پروگرام کا اعلان ہوگا اور عام الیکشن کے بعد جو جماعت یا جماعتیں حکومت بنائے گیں ان پر منحصر ہوگا کہ وہ مدرسہ بورڈ کے قیام کے سلسلہ میں قدم اٹھائے اور اس وقت بورڈ کو موزوں اور پرزور نمائندگی کرنی ہوگا۔

اسی وفد نے جسٹس سہیل اعجاز صدیقی صاحب سے ان کے مکان پر ملاقات کی ان پر واضح کیا گیا کہ مسلمان ان تعلیمی اداروں میں حکومت کی مداخلت کو قطعی برداشت نہیں کریں گے جہاں عالم فاضل اور مفتی تیار ہوتے ہیں، ان سے کہا گیا کہ مسلمانوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ

تعلیمی ادارے اور تعلیمی نظام ہمیشہ حکومت کی مداخلت اور دراندازی سے آزاد رہا ہے، خلافت عباسیہ میں مشہور تعلیمی ادارے اور جامعات قائم ہوئیں لیکن یہ تمام جامعات حکومت کی مداخلت سے آزاد رہیں اور یہی روایت ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد جاری رہی۔ طاقتور مغل بادشاہوں نے بھی کبھی دینی تعلیم کے اداروں میں مداخلت کی کوئی کوشش نہیں کی جسٹس سہیل صدیقی صاحب نے بتایا کہ انہیں دراصل ان مسلمان بچوں کی فکر ہے جو غریب بستیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جہاں ان کی تعلیم کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں پایا جاتا، انہوں نے چند مقامات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ چند مقامات پر یہ بچے شیشو مندر میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں جہاں انہیں نہ کوئی فیس دینی پڑتی ہے اور نہ کتابیں خریدنی پڑتی ہیں، ان کی کوشش یہ ہے کہ اس طرح کے بچوں کے لئے مدرسے قائم ہوں اور یہ مدرسے اپنا الحاق مرکزی مدرسہ بورڈ سے کریں، ان سے کہا گیا کہ ایسی صورت میں ان کو یہ واضح کرنا پڑے گا کہ وہ صرف ان مدارس کا الحاق مرکزی مدرسہ بورڈ سے چاہتے ہیں جہاں تحتانوی درجات کی تعلیم ہوتی ہے اور اس تعلق سے ان کو واضح طور پر قانون میں دفعات فراہم کرنا چاہئے اور مسلم عوام کو واقف کرانا چاہئے، انہوں نے وفد کو ان کی جانب سے مرتبہ مسودہ قانون کی نقل حوالہ کی اور کہا کہ اس کا بغور جائزہ لے کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور بورڈ کے ارکان اپنی رائے سے انہیں مطلع کریں۔ یہ مسودہ قانون جائزے کے لئے صدر بورڈ اور جنرل سکریٹری صاحب کو روانہ کیا گیا ہے۔ وفد کی ان ملاقاتوں میں جناب وقار لطیفی آفس سکریٹری بھی ساتھ تھے۔

پریس ریلیز:

اس ملاقات کے بعد ۲۵ر فروری ۲۰۰۹ء کو درج ذیل پریس نوٹ جاری کیا گیا:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک وفد نے کل شری ارجن سنگھ وزیر برائے فروغ انسانی وسائل سے ملاقات کی اور مرکزی مدرسہ بورڈ کے تعلق سے مسلمانان ہند کے شدید مخالفانہ احساسات سے واقف کرایا اور بتایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور کئی علماء کرام کی مخالفت کے باوجود مرکزی حکومت مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کے لئے کوششیں جاری رکھی ہوئی ہے۔ وفد نے جو محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، پروفیسر ریاض عمر صاحب خازن بورڈ اور رکن بورڈ جناب محمد ادیب صاحب ایم پی پر مشتمل تھا نے کہا دینی مدارس کے تعلیمی یا انتظامی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت اقلیتوں کو دیئے گئے حقوق کی خلاف ورزی کے مترادف ہوگی۔ دستور کے دفعات ۲۵، ۲۶ اور ۳۰ کی رو سے مذہب پر عمل کرنے اور مذہبی امور کے تعلق سے ادارے قائم کرنے اور بلا کسی بیرونی مداخلت کے اداروں کو چلانے کا حق ملک کی تمام مذہبی اکائیوں کو حاصل ہے۔ اسی طرح دستور یہ حق بھی عطا کرتا ہے کہ اقلیتیں اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرسکتے اور چلا سکتے ہیں۔ مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام مسلم اقلیت کو ان حقوق سے محروم کرنے کے مترادف ہوگا۔ مرکزی وزیر شری ارجن سنگھ نے وفد کو بتایا کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کے سلسلہ میں کوئی قانون سازی پارلیمنٹ کے اس اجلاس میں نہیں ہوگی اور ۲۶ر فروری کو پارلیمنٹ کا اجلاس ختم ہوجائے گا۔ ایسی قانون سازی عام انتخابات کے بعد نئی پارلیمنٹ کرسکے گی لیکن حکومت ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مسلمانوں کے اہم اداروں کو اعتماد میں لے گی۔

ابھی حالیہ دنوں میں سپریم کورٹ کے جج جسٹس کاٹجو کے داڑھی والے فیصلہ کو لے کر ایک عجیب انتشار کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اسی کے تناظر میں بورڈ کے جنرل سکریٹری صاحب کی طرف سے حسب ذیل پریس بیان جاری کیا گیا:

نئی دہلی ۳۱ر مارچ ۲۰۰۹ء

ایک مسلم طالب علم کے داڑھی رکھنے کے خلاف اور مسلمانوں کی داڑھی اور برقعے کو طالبان سے جوڑ کر طالبانی ذہنیت کی علامت قرار دینے کے سپریم کورٹ کے جج جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے فیصلہ کو مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بدبختانہ قرار دیتے ہوئے اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور کہا کہ فرقہ پرست سیاسی لیڈروں کی جانب سے داڑھی کو دہشت گردی سے جوڑنے کی

بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اپنے سیاسی مفادات کے تحت مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں مگر سپریم کورٹ جیسی اعلیٰ ترین عدالت کے ایک جج سے ایسی توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ سیاسی لیڈروں کی زبان استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں پر بے بنیاد الزامات عائد کریں گے۔ مولانا سید نظام الدین صاحب نے کہا کہ جب ملک میں کسی اسکول یا کالج یا سرکاری دفاتر میں سکھ بھائیوں کے داڑھی رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے تو ایسی پابندی مسلمانوں پر کیوں لگائی جا رہی ہے، اگر سکھ مت کے اندر داڑھی رکھنا مذہب کا جز ہے تو مذہب اسلام میں بھی داڑھی رکھنا مذہبی اعتبار سے ضروری ہے۔ اگر مسلمانوں کی ایک تعداد داڑھی نہیں رکھتی ہو تو سکھ بھائیوں کی بھی ایک تعداد داڑھی منڈاتی ہے اور اس بنیاد پر کوئی نہیں کہتا کہ داڑھی رکھنا سکھ مذہب کا جز نہیں ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری نے مزید کہا کہ داڑھی کے مسئلہ پر ایرفورس کے مسلم آفیسر کے معاملہ میں فیصلہ کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے ایک جج نے کہا تھا کہ اسلام میں داڑھی رکھنا فرض نہیں سنت ہے گویا سنت پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ بات انتہائی غلط اور اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح و تاویل ہے۔ مذہب اسلام، مسلمانوں کو فرض اور سنت دونوں پر عمل کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور لازم قرار دیتا ہے اس طرح داڑھی مسلمانوں کے لئے مذہبی اعتبار سے ضروری ہے۔ مولانا نظام الدین صاحب نے جسٹس کاٹجو کے اس ریمارک کی بھی مذمت کی کہ مذہب کی آزادی کے بنیادی حق کو زیادہ وسعت نہیں دی جا سکتی۔ افسوس ہے کہ جسٹس کاٹجو اس دستوری حقیقت کا انکار کر رہے ہیں کہ بنیادی حقوق کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اگر کسی قانون یا حکم نامے کے ذریعہ ان میں سے کسی حق میں کمی واقع ہوتی ہے یا یہ حق ختم ہوتا ہے تو عدالتیں اس قانون یا حکم نامہ کو رد کرنے اور بے اثر قرار دینے کا اختیار رکھتی ہیں۔ مولانا سید نظام الدین صاحب نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ جس طرح سکھوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت ہے، اسی طرح مسلمانوں کو تمام سرکاری شعبوں اور محکموں میں داڑھی رکھنے کی اجازت دی جائے اور سرکاری یا سرکار سے امداد پانے والے تمام تعلیمی اداروں کو ہدایت جاری کی جائے کہ وہ مسلم طلبا کو داڑھی رکھنے کی اجازت دیں۔ انہوں نے کہا کہ جسٹس کاٹجو کا یہ فیصلہ ہندوستان کی عدلیہ کی تاریخ میں سیاہ ترین فیصلوں میں شمار کیا جائیگا۔

اور اسی موضوع پر بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کی قیادت میں بورڈ کے ایک وفد نے مرکزی وزیر قانون سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے بعد حسب ذیل پریس بیان جاری کیا گیا:

ہم چاہتے ہیں کہ حکومت اور عدالت مسلمانوں کے درد کو سمجھے

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے وفد کی وزیر قانون سے ملاقات

نئی دہلی: ۸/اپریل ۲۰۰۹ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ چاہتا ہے کہ حکومت اور عدالت کے ساتھ ہندوستان کے لوگ مسلمانوں کے درد کو سمجھیں اور جسٹس مارکنڈے کاٹجو نے اپنی زبان سے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کیا ہے، اس کا مرہم تلاش کیا جائے۔ ان الفاظ کے ساتھ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سجادہ نشین خانقاہ مونگیر نے وزیر قانون مسٹر ہنس راج بھاردواج کے سامنے ان اخباری تراشوں کو پیش کیا، جس میں جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے ریمارکس چھپے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ ریمارکس غیر واقعی اور بے حد دلآزار ہیں، اخبار میں اس طرح کی چیز آتی ہے، تو فرقہ پرستوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ سپریم کورٹ میں ان کے محافظ موجود ہیں، اس موقع پر وفد کے مؤقر ارکان نے گفتگو میں حصہ لیا۔ وزیر قانون مسٹر ہنس راج بھاردواج نے بتایا کہ انہیں اخبار میں چھپے ان ریمارکس کا علم ہے، اور اگر اخبار کی رپورٹنگ صحیح ہے تو یہ ریمارکس افسوسناک ہیں، انہوں نے کہا کہ میں ان معاملات پر واقفیت حاصل کر رہا ہوں، تاکہ واقعی صورت حال سامنے آسکے، حضرت مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب نے فرمایا کہ ایک نازک معاملہ یہ ہے کہ اس ریمارکس پر جو نقصان مسلمانوں کو ہوا ہے اس کی بھرپائی کس طرح ہوگی۔ جناب کمال فاروقی صاحب نے کہا کہ عدلیہ کی غیر جانبداری ہر حال میں باقی رہنی ضروری ہے، عدلیہ کا شاندار ریکارڈ بہر حال قائم رہنا

چاہئے۔حضرت علامہ عقیل الغروی صاحب نے کہا کہ اس سلسلہ میں خود کانگریس پارٹی کو اپنے موقف کی صراحت کرنی چاہئے، وفد میں شریک مولانا محمود مدنی صاحب ایم پی، مولانا عمید الزماں کیرانوی قاسمی صاحب جنرل سکریٹری مسلم مجلس مشاورت، جناب محمد جعفر صاحب نائب امیر جماعت اسلامی ہند، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب رکن عاملہ بورڈ، مولانا مفتی اعجاز ارشد صاحب نے گفتگو میں حصہ لیا، وزیر قانون نے بات چیت کے اہم نکتوں پر واضح رائے دی، انہوں نے یہ بھی کہا کہ گاندھی نہرو اور مولانا آزاد نے جو ذہن بنایا تھا ہم لوگ اسی ذہن کے آدمی ہیں، انہوں نے جس سیاسی اور سماجی کلچر کی تعمیر کی تھی اب ہندوستان میں قابل لحاظ تعداد کو اس کلچر سے مناسبت نہیں ہے، جبکہ یہ طے ہے کہ ہمارا ملک اس کلچر کے ساتھ ہی ترقی کر سکتا ہے۔

اسی موضوع پر جناب پروفیسر طاہر محمود صاحب کی طرف سے صدر بورڈ سے ٹیلیفونی گفتگو کی روشنی میں ایک بیان آیا جس نے موضوع کو ہی الٹ کر رکھ دیا چنانچہ بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے اس بیان کی تحقیق فرمائی اور حسب ذیل بیان مؤرخہ ۱۸/اپریل ۲۰۰۹ء پریس کو جاری فرمایا:

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی گفتگو کو پروفیسر طاہر محمود صاحب نے غلط انداز پر پیش کیا:

سپریم کورٹ کے جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے داڑھی اور برقعہ پر غیر ضروری ریمارکس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں اضطراب تازہ تھا کہ ۶/اپریل کو اردو اخبارات میں جناب پروفیسر طاہر محمود کے پریس ریلیز نے عجیب صورتحال پیدا کر دی، جناب طاہر محمود صاحب نے مسلمانوں کے اضطراب کے پس منظر میں اپنے صاحبزادہ کے ہمراہ جسٹس مارکنڈے کاٹجو سے ملاقات اور صدر مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو اس ملاقات کی تفصیلات سے واقف کرایا گیا اور پروفیسر صاحب کے ذرائع نے پریس ریلیز جاری کیا جس کا خلاصہ یہ بھی تھا کہ صدر بورڈ سے پروفیسر طاہر محمود کی گفتگو کے بعد جسٹس کاٹجو کی مذمت کا جاری سلسلہ اب بند ہونا چاہئے اس پس منظر میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری جناب حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر سے صدر محترم بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب کی فون پر گفتگو ہوئی صدر محترم نے بتایا کہ انہوں نے پروفیسر طاہر محمود کے اس اقدام کی تحسین کی ہے کہ انہوں نے جسٹس مارکنڈے کاٹجو سے ملکر مسلمانوں اور انصاف پسندوں کے شدید احساسات ان تک پہونچائے اس کے سوا کوئی بات نہیں ہوئی، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جناب طاہر محمود صاحب نے یہ صراحت کی ہے کہ سپریم کورٹ نے صرف دو لفظ میں فیصلہ کیا ہے تحریری طور پر اور کچھ نہیں کہا ہے یہ صحیح ہے کہ جناب کاٹجو نے ریمارکس زبانی دئے ہیں جس سے پوری ملت کو نقصان پہونچا ہے مسٹر جسٹس کاٹجو کے ریمارکس نمایاں طور پر نیشنل ڈیلیز میں آچکی ہے جن سے ان فرقہ پرستوں کے حوصلے بلند ہوئے ہیں جو دہشت گردی کا سرا مسلمانوں سے جوڑتے ہیں، اگر اخبارات کی رپورٹنگ صحیح ہے تو جو بات جسٹس کاٹجو نے کہی ہے بد ترین مسلم دشمنوں نے بھی نہیں کہی تھی اگر اخبارات کی رپورٹنگ غلط ہے تو جسٹس کاٹجو تردید کر سکتے تھے، جسٹس کاٹجو کی پروفیسر طاہر محمود کی گفتگو کے جو حصے اخبارات میں آئے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ جسٹس صاحب نے فرمایا کہ میری بات صحیح طور پر سمجھی نہیں گئی، یہ کوئی معذرت ہے بھی نہیں، بلکہ یہ جملہ ان لوگوں کو ''ناسمجھ'' قرار دے رہا ہے، جنہوں نے جسٹس کے نامناسب ریمارکس پر اظہار خیال کیا ہے۔

وفیات:

اس دوران بورڈ کے رکن جناب مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب دارالقرآن سرخیز روڈ احمد آباد گجرات کا اچانک مؤرخہ ۲/اپریل ۲۰۰۹ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور اس دوران مولانا عبداللطیف صاحب آسام بھی ہم سے جدا ہو گئے۔

اسی طرح رکن بورڈ جناب مولانا بدرالدین اجمل قاسمی صاحب کے والد محترم جناب الحاج محمد اجمل علی صاحب آسام و رکن بورڈ مولانا محمد الیاس محی الدین بھٹکلی ندوی صاحب کے والد محترم اور مولانا فضیل احمد قاسمی

صاحب جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ العلماء بھی ہم سے جدا ہوگئے اللہ تعالی ان مرحومین کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

دیگر سرگرمیاں:

۲۴؍فروری ۲۰۰۹ء کو محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ کی طرف متبنی کے سلسلہ میں جملہ ارکان بورڈ کی خدمت میں حسب ذیل خط روانہ کیا گیا:

مکرمی ومحترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں

آپ واقف ہوں گے کہ سپریم کورٹ آف انڈیا نے تمام ریاستوں کو یہ ہدایت جاری کی ہے کہ ہر ریاست میں شادیوں کے لازمی رجسٹریشن کا قانون بنایا جائے۔ بعض ریاستی حکومتیں سپریم کورٹ کی ہدایت سے پہلے ہی ایسا قانون بنا چکی ہیں اور کئی ریاستوں نے سپریم کورٹ کی ہدایت کے بعد ایسے قوانین نافذ کئے ہیں۔ امکان اس بات کا ہے کہ ملک کی تمام ریاستوں میں ریاستی حکومتیں ایسا قانون بنائیں گی اور نافذ کرنے کی کوشش کریں گی۔ اور اس کا بھی قوی امکان ہے کہ مرکزی حکومت پارلیمنٹ کے ذریعہ ایسے قانون کو منظور کروائے۔

آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے رجسٹریشن کی افادیت سے اتفاق کے باوجود کئی مرتبہ اس کو لازمی قرار دینے کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ اس کے سارے ملک میں نفاذ میں کئی عملی دشواریاں ہیں۔ دیہاتوں اور دور دراز کے علاقوں کے غریب عوام شادی کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کے نتیجہ میں بڑی مشکلات کا شکار ہوں گے۔ عملی پہلوؤں سے رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کی مخالفت کے باوجود ایسے قوانین کی تدوین اور ان کے نفاذ کا سلسلہ رکتا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔

حکومت آندھرا پردیش نے لازمی رجسٹریشن کے قانون کے تحت جو رولس (قواعد) بنائے ہیں اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر شادی کروانے والا عیسائی پادری، مسلمان قاضی یا پارسی پریسٹ اس کا کوئی تحریری اندراج مرتب کرتا اور محفوظ رکھتا ہے تو ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ تک اس مہینے میں کروائی گئی شادیوں کی سند کی نقل اس علاقے کے شادیوں کے رجسٹرر کے پاس بھیج دینا کافی ہوگا اور یہ عمل رجسٹریشن کے قانون کی تعمیل قرار پائے گا۔ آندھرا پردیش میں ایک اور سہولت یہ ہے کہ یہاں کے تمام نکاح خوانوں کی جنہیں قاضی کہا جاتا ہے حیثیت سرکاری طور پر مسلمہ ہے۔ یہ سب ریاستی وقف بورڈ کے کنٹرول میں ہوتے ہیں اور ہر قاضی پر یہ پابندی عائد ہے کہ وہ نکاح نامہ کی ایک نقل وقف بورڈ کو روانہ کرے اور مزید ایک نقل ریاستی دفتر اسناد (State Archives) کو روانہ کرے۔ ریاست بھوپال کے جو اضلاع اب مدھیہ پردیش میں ہیں وہاں بھی نکاح خواں قاضیوں کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی صورت حال ریاست مہاراشٹرا کے علاقہ مرہٹواڑہ اور ریاست کرناٹک کے علاقے حیدرآباد کرناٹک میں پائی جاتی ہیں۔ ملک کے دیگر علاقوں میں جہاں موروثی قاضی (نکاح خواں) موجود ہیں ان کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں یہ معلوم نہیں ہے۔ اسی طرح جہاں امارت شرعیہ قائم ہیں اور امارت شرعیہ کے تحت نکاح خوانی کا انتظام ہے وہاں اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا پاسپورٹ کی اجرائی وغیرہ کے لئے ان کی جاری کردہ سند نکاح کو تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیلی اطلاعات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو درکار ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس بات کی کوشش کرنا چاہتا ہے کہ لازمی رجسٹریشن کے قانون کے تحت قاضی کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ ہر نکاح کے بعد نکاح نامہ کی ایک نقل اس علاقے کے شادیوں کے رجسٹرار کو روانہ کرے اور رجسٹرار نکاح نامہ کی نقل ملنے پر اپنے ریکارڈ میں ضروری اندراجات کرے اور عاقد اور عاقدہ کو میرج سرٹیفکیٹ اندرون پندرہ یوم جاری کرے۔

اس کوشش کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کی ریاستوں میں نکاح خوانی کا کیا نظام ہے اور اس کی سرکاری حیثیت کیا ہے؟ اس تعلق سے تمام تفصیلات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر میں موجود رہیں۔

میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ کی ریاست؍علاقہ میں نکاح خوانی کا جو نظام پایا جاتا ہے اس کی تفصیل روانہ کریں اور یہ بھی کہ ان نکاح خواں

قاضیوں کو کہاں تک سرکار تسلیم کرتی ہے اور ان کے جاری کردہ اسنادات کو کیا سرکاری دفاتر میں قبول کرلیا جاتا ہے۔

براہ کرم جتنا جلد ہو سکے یہ تفصیلات دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو روانہ کرکے ممنون فرمایئے۔

اسی طرح ۲۴ر فروری ۲۰۰۹ء ہی کو محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ کی طرف سے لازمی نکاح رجسٹریشن کے سلسلہ میں جملہ ارکان بورڈ کی خدمت میں حسب ذیل خط روانہ کیا گیا:

مکرمی ومحترمی　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں

آپ واقف ہوں گے ک سپریم کورٹ آف انڈیا نے تمام ریاستوں کو یہ ہدایت جاری کی ہے کہ ہر ریاست میں میں شادیوں کے لازمی رجسٹریشن کا قانون بنایا جائے۔بعض ریاستی حکومتیں سپریم کورٹ کی ہدایت سے پہلے ہی ایسا قانون بنا چکی ہیں اور کئی ریاستوں نے سپریم کورٹ کی ہدایت کے بعد ایسے قوانین نافذ کئے ہیں ۔ امکان اس بات کا ہے کہ ملک کی تمام ریاستوں میں ریاستی حکومتیں ایسا قانون بنائیں گی اور نافذ کرنے کی کوشش کریں گی۔اور اس کا بھی قوی امکان ہے کہ مرکزی حکومت پارلیمنٹ کے ذریعہ ایسے قانون کومنظور کروائے۔

آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے رجسٹریشن کی افادیت سے اتفاق کے باوجود کئی مرتبہ اس کو لازمی قرار دینے کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ اس کے سارے ملک میں نفاذ میں کئی عملی دشواریاں ہیں۔ دیہاتوں اور دور دراز کے علاقوں کے غریب عوام شادی کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کے نتیجہ میں بڑی مشکلات کا شکار ہوں گے۔عملی پہلوؤں سے رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کی مخالفت کے باوجود ایسے قوانین اور ان کے نفاذ کا سلسلہ رکتا ہوا نہیں معلوم ہوتا حکومت آندھرا پردیش نے لازمی رجسٹریشن کے قانون کے تحت جو رولس (قواعد) بنائے ہیں اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر شادی کروانے والا عیسائی پادری، مسلمان قاضی یا پارسی پریسٹ اس کا کوئی تحریری اندراج مرتب کرتا اور محفوظ رکھتا ہے تو ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ تک اس مہینے میں کروائی گئی شادیوں کی سند کی نقل اس علاقے کے شادیوں کے رجسٹر کے پاس بھیج دینا ہوگا اور یہ عمل رجسٹریشن کے قانون کی تعمیل قرار پائے گا۔ آندھرا پردیش میں ایک اور سہولت یہ ہے کہ یہاں کے تمام نکاح خانوں کی جنھیں قاضی کہا جاتا ہے حیثیت سرکاری طور پر مسلمہ ہے۔ یہ سب ریاستی وقف بورڈ کے کنٹرول میں ہوتے ہیں اور ہر قاضی پر یہ پابندی عائد ہے کہ وہ نکاح نامہ کی ایک نقل وقف بورڈ کو روانہ کرے اور مزید ایک نقل ریاستی دفتر اسناد (State Archives) کو روانہ کرے۔ ریاست بھوپال کے جو اضلاع اب مدھیہ پردیش میں ہیں وہاں بھی نکاح خواں قاضیوں کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی صورت حال ریاست مہاراشٹرا کے علاقے مرہٹوارہ اور ریاست کرناٹک کے علاقے حیدرآباد کرناٹک میں پائی جاتی ہیں۔ ملک کے دیگر علاقوں میں جہاں موروثی قاضی (نکاح خواں) موجود ہیں ان کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں یہ معلوم نہیں ہے۔ اسی طرح جہاں امارت شرعیہ قائم ہیں اور امارت شرعیہ کے تحت نکاح خوانی کا انتظام ہے وہاں اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا پاسپورٹ کی اجرائی وغیرہ کے لئے ان کی جاری کردہ سند نکاح کو تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں اس بارے میں تفصیلی اطلاعات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو درکار ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس بات کی کوشش کرنا چاہتا ہے کہ لازمی رجسٹریشن کے قانون کے تحت قاضی کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ ہر نکاح کے بعد نکاح نامہ کی ایک نقل اس علاقے کے شادیوں کے رجسٹرار کو روانہ کرے اور رجسٹرار نکاح نامہ کی نقل ملنے پر اپنے ریکارڈ میں ضروری اندراجات کرے اور عاقد اور عاقدہ کو میرج سرٹیفکیٹ اندرون پندرہ یوم جاری کرے۔

اس کوشش کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کی ریاستوں میں نکاح خوانی کا کیا نظام ہے اور اس کی سرکاری حیثیت کے اہے اس تعلق سے تمام تفصیلات آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر میں موجود رہیں۔

میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ کی ریاست/علاقہ میں نکاح

خوانی کا جو نظام پایا جاتا ہے اس کی تفصیل روانہ کریں اور یہ بھی کہ ان نکاح خواں قاضیوں کو کہاں تک سرکار تسلیم کرتی ہے اور ان کے جاری کردہ اسنادات کو کیا سرکاری دفاتر میں قبول کرلیا جاتا ہے۔

براہ کرم جتنا جلد ہو سکے یہ تفصیلات دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو روانہ کر کے ممنون فرمایئے۔

داڑھی کے موضوع پر بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب اخبارات کے بعض اہم تراشے، داڑھی برقعہ اور جسٹس کاٹجو کے عنوان سے ایک مختصر اور جامع حسب ذیل مضمون تمام ارکان کے نام ۱۵؍اپریل ۲۰۰۹ء بھیجا گیا:

داڑھی۔ برقعہ اور جسٹس کاٹجو

۳۱؍مارچ کے تقریباً تمام قابل ذکر انگریزی اور اردو اخبارات میں خبر آئی، جس کا عنوان ٹائمز آف انڈیا نے لگایا No Talibanization of India, Says SC سپریم کورٹ کے حوالہ سے شائع اس خبر پر ہر ہندوستانی کا چونکنا فطری ہے اور فاضل جج کے ریمارکس پر ہر امن پسند ہندوستانی اور دستور ہند سے واقف انسان کا دل گرفتہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ اور ریمارکس کا پس منظر یہ ہے کہ - نرملا کانونٹ ہائر سکنڈری اسکول، مدھیہ پردیش میں ایک اقلیتی تعلیمی ادارہ ہے، جہاں ہندو، مسلمان، سکھ طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اسکول کا ڈریس کوڈ ہے، جسمیں لباس کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بھی صراحت ہے کہ ہر طالب علم کیلئے شیو (داڑھی صاف کرنا) ضروری ہے، اسکول انتظامیہ کے اس فیصلہ کے باوجود سکھ طلبہ داڑھی اور پگڑی کی پابندی کرتے ہیں۔

اسی اسکول میں محمد سلیم نامی طالب علم بھی تعلیم حاصل کر رہا تھا، عمر آئی تو اسے ڈریس کوڈ کی پابندی کی ہدایت کرتے ہوئے داڑھی صاف کرنیکا کا حکم دیا گیا، طالب علم نے کورٹ میں مسئلہ اٹھایا، مگر اس کی گذارش قبول نہیں کی گئی، مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے درخواست رد کرنے کے خلاف معاملہ سپریم کورٹ میں لایا گیا، مسٹر بی اے خان (ریٹائرڈ چیف جسٹس کشمیر ہائی کورٹ اور ایڈوکیٹ سپریم کورٹ) نے سپریم کورٹ میں محمد سلیم کی اپیل پیش کی، جہاں اسے رد کر دیا گیا۔

مسٹر جسٹس رویندرن اور مسٹر جسٹس مارکنڈے کاٹجو کی رائے یہ بنی کہ دستور کی دفعہ ۳۰ کے تحت اقلیتوں کو اپنے ادارے بنانے اور چلانے کا حق ہے، اسلیئے سپریم کورٹ نرملا کانونٹ ہائر سکنڈری اسکول کو یہ ہدایت نہیں دے سکتا کہ وہ اپنے ڈریس کوڈ میں تبدیلی کرے، قانونی لحاظ سے یہ نکتہ اہم ہے، اپیل کو رجکٹ کرنے کی یہ بنیادی وجہ ہے!

اس مرحلہ میں نرملا کانونٹ کے منتظمین اور قانون دانوں کے غور کرنے کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اسی اسکول میں سکھ طلبہ کیلئے داڑھی رکھنے اور پگڑی باندھنے کی اجازت ہے، اگر اس اسکول کا کوئی مسلمان یا ہندو طالب علم داڑھی رکھ لے اور پگڑی باندھ کر اسکول جائے، تو اسے اجازت ملے گی یا اسے داڑھی صاف کرانے اور پگڑی اتارنے کا حکم دیا جائے گا۔

اگر اسکول انتظامیہ ہندو اور مسلم طلبہ کو اس کی اجازت دیگی تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اگر ہندو مسلم طلبہ کو ایسا کرنے سے روکا جائے، تو یہ مذہب کی بنیاد پر تفریق ہے، ایسی تفریق کی اجازت دستور ہند نہیں دیتا اور نہ کسی اچھے ادارہ کے باشعور منتظمین سے اس طرح کے فرق وفاصلہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔

دستور کی دفعہ ۳۰ نے اقلیتوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی پسند کے ادارے بنائیں اور چلائیں، اس لحاظ سے سپریم کورٹ کے مذکورہ فیصلہ میں کوئی جھول نظر نہیں آتا، مگر دستور کی بنیادی دفعہ یہ بھی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر دو شہریوں میں فرق نہیں کیا جائیگا، معزز ججوں نے اس دفعہ سے آنکھیں بچالیں، طالب علم محمد سلیم کے وکیل مسٹر بی اے خان (سابق چیف جسٹس کشمیر ہائی کورٹ) نے عدالت عالیہ کے سامنے یہ بات رکھی کہ اسی اسکول میں سکھوں کو داڑھی رکھنے اور پگڑی باندھنے کی اجازت ہے، بس اسی بات پر چیف جسٹس مارکنڈے کاٹجو کو غصہ آگیا اور انھیں اپنی حدوں کا بھی خیال نہیں رہا اور انھوں نے وہ بات کہدی جس نے اچھے اچھوں کو سکتے میں ڈال دیا، اخبارات میں سرخیاں لگ گئیں: ''طالبانی کرن نہیں- سپریم کورٹ کا اظہارِ

خیال‘‘۔ اور اسی خبر میں جسٹس صاحب کا اگلا جملہ بھی موجود ہے ’’کل کو کوئی لڑکی کہے گی ہمیں برقعہ پہننے کی اجازت دی جائے تو کیا اجازت دی جائیگی؟‘‘

اس اظہارِ خیال کو بارہ دن سے زیادہ گذر گئے، عدالت عالیہ کی طرف سے نہ کوئی تردید آئی نہ تنبیہ!

نرملا کانونٹ اسکول نے جو کیا اسے مذہب کی بنیاد پر تفریق کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ مگر مسٹر جسٹس کاٹجو نے جو کچھ کہا، اسے کیا کہا جائے، محمد سلیم کے دل سے پوچھیئے..... کیا وہ سوچ نہیں رہا ہے کہ تفریق مذہب کی بنیاد پر کی جارہی ہے! کیا کوئی باشعور غیر جانبدار انسان اسکے سوا اور کچھ کہہ سکتا ہے؟؟

مجھے برقعہ پر جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے ذلت آمیز تبصرہ پر وہ دن یاد آئے، جب کرناٹک کے ایک ادارہ میں برقعہ پر سنگھی کرفیو لگا دیا گیا اور لاٹھی ڈنڈا کے ساتھ طالبات کو تعلیم گاہ چھوڑنے یا برقعہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا..... کرناٹک کے اس حادثہ کے پیچھے جو ذہن کام کر رہا تھا، اگر سپریم کورٹ اور جسٹس کاٹجو کا نام ہٹا دیا جائے، تو اس جملہ کے پس پردہ وہی ذہنیت کام کرتی محسوس ہوتی ہے!

داڑھی کے ہی موضوع پر بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے مؤرخہ ۱۷/اپریل ۲۰۰۹ء کو تمام ارکان کے نام حسب تحریر فرمایا:

مکرم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہوں، ایک نہایت اہم ملّی مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ مسئلہ کی سنگینی اور دوررس نتائج کو محسوس کرتے ہوئے آپ مکمل فکری اور عملی ہم راہی کیلئے آمادہ ہوں گے، اور اس سلسلہ کے اقدامات کی اپنے مضبوط اور مسلسل عمل سے تائید کرینگے۔

جسٹس مارکنڈے کاٹجو نے ۳۰/مارچ ۲۰۰۹ء کو سپریم کورٹ میں ریمارکس کرتے ہوئے ڈارھی اور برقعہ کو جس طرح ’’طالبان‘‘ سے جوڑا ہے، آپ کے علم میں ہوگا، یہ نہ صرف غلط ہے۔ بلکہ ملت اسلامیہ کی مذہبی اور تہذیبی شناخت کو مٹانے کی عدالتی راہ ہے، عدالتی کارروائی کے دوران کوئی بھی جسٹس زبانی ریمارکس کے ذریعہ اگر شعائر اسلام کی توہین کرتا ہے، یا تخفیف کرتا ہے، یا اسے غلط اور غیر واقعی شناخت دیتا ہے، تو جج کا ایسا ریمارکس جرم ہے، جس پر صرف اسلئے خاموش نہیں رہا جاسکتا کہ یہ معاملہ کنٹمپٹ آف کورٹ کے دائرہ میں آسکتا ہے اور جیل جانے کی نوبت آسکتی ہے!

ہمیں اپنے وطن عزیز میں بحیثیت مسلمان زندہ رہنا ہے، اپنی شناخت، تہذیب اور سب سے بڑھکر دین کی پیروی کرتے ہوئے زندہ رہنا ہے، یہ ہمارا واضح موقف ہے، یہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کا سونچا سمجھا راستہ ہے، حکومت اور عدالت کے دباؤ میں نہ ہم اپنی راہ بدل سکتے ہیں اور نہ نرم روی اور آہستہ خرامی پسند کرسکتے ہیں، کیونکہ ہم سبھوں کو سب سے بڑے حاکم کی سب سے بڑی عدالت میں جواب دینا ہے۔

اسی احساس ذمہ داری کے ساتھ یہ عریضہ بھیج رہا ہوں، آپ کی خدمت میں چند اوراق اسی سلسلہ کے پہنچے ہوں گے، تاکہ آپ اور آپ کے رفقاء اصل معاملہ اور اسکی قانونی حیثیت سے واقف ہوسکیں اور پوری آگہی اور بھرپور بصیرت کے ساتھ اس کارواں میں شریک ہوں، جو حق کا پرچم بلند کرنے اور اللہ کی سرزمین پر اللہ کے دین اور اس کے شعائر کی حفاظت کیلئے تیار کیا جارہا ہے..... اگر اس مرحلہ میں ہم بیدار نہ ہوئے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے احساسات کو حکومت اور عدالت کے سامنے نہیں پہونچایا، تو یقین کیجیے وہ دروازہ کھل چکا ہے جس کے ذریعہ عدالتیں قانون شریعت کو ختم کردیں گی، آج جو ریمارکس کی شکل میں سامنے آیا ہے، کل وہ فیصلہ کے طور پر آجائے گا، اس لیے اگر آج عدالت کی غلط کارروائی کا نوٹس نہیں لیا گیا، تو کل جب فیصلہ بھی آجائے گا، ہم بے چارگی کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھنے کے سوا کچھ نہ کرسکیں گے۔

ججوں کی بے لگامی کو دور کرنے اور حکومتوں کی بے نیازی کو ختم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم سب باشعور، ذمہ دار، حساس اور باعمل ملت کا طریقہ اپنائیں اور پوری یک جہتی اور یک سمتی کے ساتھ مناسب اقدامات

کریں ان اقدامات کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کئے گئے سارے اقدامات کواللہ کی رضا، دین کی بقاءاورملت کی سرفرازی کیلئے کیا جائے، اس خدمت میں نام ونمود، اشتہار اورنمائش کی کوئی گنجائش نہیں ہے، دوسری اہم گذارش یہ ہے کہ اسے الیکشن ایشو نہ بنایا جائے، لیکن الیکشن سے فائدہ اٹھایا جائے ہماری ذمہ داری ہے کہ

۱- اپنے شہر، اپنے علاقہ کے چند نمایاں سمجھدار مسلمانوں کے ساتھ یو پی اے سے تعلق رکھنے والی پارٹیوں کے پارلیمانی کنڈیڈیٹ سے پوچھیں کہ جج کے بیان پر آپ کا تأثر کیا ہے، انکا تأثر سنکر آپ کہیں کہ یو پی اے کی چیر پرسن، اپنی پارٹی کے صدر، وزیر اعظم، صدر جمہوریہ، نائب صدر جمہوریہ، چیف جسٹس آف انڈیا، مرکزی وزیر قانون اور مسٹر جسٹس مارکنڈے کاٹجو کو اپنے احساسات اور مسلمانوں کے خیالات اور ان کے درد سے واقف کرائیں، ان سے یہ بھی مطالبہ کریں کہ وہ اپنے خط کی ایک کاپی آپ کے حوالہ کریں، جس کی فوٹو کاپی آپ مذکورہ بالا حضرات کو بھیجیں، ایک کاپی میرے نام بھیجیں اور ایک کاپی اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ الیکشن میں جہاں مناسب نمائندوں کو منتخب کرنا آپ کا حق ہے، وہیں آپ کی ذمہ داری ہے کہ ''اس موقعہ'' کو شعائر اسلامی کی حفاظت اور دین پر عمل کے استحکام کیلئے بھی استعمال کریں، ہماری مومنانہ بصیرت اور ایمانی فراست کا یہ تقاضا ہے!

۲- ہم سبھوں کی ذمہ داری ہے کہ انگریزی اور ہندی میں خطوط منسلک پتوں پر بھیجتے رہیں اور بھجواتے رہیں، آپ ارادہ کرلیں کہ اس نیک کام کو جون تک خاموش کاغذی تحریک کے طور پر چلانا ہے، اور آپ کے توسط سے روز ایک خط پوسٹ ہونا ہے، انتر دیسی یا لفافے۔ خط مختصر لکھیں، جو مناسب سمجھ میں آئے ضرور لکھیں، یہ ضرور تحریر کریں کہ داڑھی اور برقعہ پر جسٹس مارکنڈے کاٹجو کے ریمارکس سے مجھے، عام مسلمانوں کو اور انصاف پسند انسانوں کو سخت تکلیف پہنچی ہے، یہ کیسی عوامی حکومت ہے جہاں کا وزیر اعظم داڑھی کو مذہبی حیثیت سے رکھتا ہے اور غیر ممالک میں داڑھی کی وکالت کرتا ہے، اور مسلمانوں کی مذہبی داڑھی کو ایک جج جرم کی علامت کہتا ہے۔

۳- یہ خیال رہے کہ خطوط بھیجنے کا یہ سلسلہ جون کے آخر تک مسلسل جاری رکھنا ہے، ہمیں کسی سیاسی پارٹی یا عدالت کو نشانہ نہیں بنانا ہے، محفوظ الفاظ میں اپنی تکلیف کا کھلکر اظہار کرنا ہے۔ اور جسٹس کاٹجو کے ان جملوں کی واضح مگر مناسب انداز میں مذمت کرنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری گذارشات پر غور کرینگے، اور ہر نازک مرحلہ میں اپنی ذمہ داری نبھائینگے، ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرینگے، اور تمہارے قدموں کو جما دینگے۔)

❁ ❁ ❁ ❁

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات

فارم (۴) قاعدہ نمبر (۸)

رسالہ کا نام:	سہ ماہی خبر نامہ
مقام اشاعت:	نئی دہلی
مدت اشاعت:	سہ ماہی
پرنٹر، پبلیشر وایڈیٹر کا نام:	سیدنظام الدین
قومیت:	ہندوستانی
پتہ:	۷۶ اے/۱، مین بازار اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی

میں سیدنظام الدین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

دستخط

سیدنظام الدین

داڑھی کی شرعی حیثیت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
رکن عاملہ بورڈ حیدر آباد

۱۔ داڑھی رکھنے کی اہمیت فی الجملہ اکثر مذاہب میں منقول ہے؛ لیکن اسلام میں اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، اس کا ثبوت قرآن سے بھی ہے؛ کیوں کہ ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام کے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ (جو خود بھی نبی تھے)۔ ایک خاص واقعہ میں۔ داڑھی پکڑنے کا ذکر ہے: قَالَ يَا ابْنَ أُم لاَ تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لاَ بِرَأْسِيْ (طہ:۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ داڑھی رکھنے کا تھا اور قرآن مجید نے ان کی اقتداء کو واجب قرار دیا ہے: أولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده (الانعام:۹۰)

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں داڑھی رکھنے یا نہ رکھنے کے سلسلہ میں صریح حکم موجود نہیں ہے، لیکن جیسا کہ اور بہت سے مسائل میں قرآن مجید نے اشارہ پر اکتفاء کیا ہے، اس میں بھی اشارہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

۲۔ داڑھی کے واجب ہونے پر کم سے کم دو صریح روایتیں خود رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں:

(الف) عن ابن عمرؓ عن النبیؐ أنه أمر بإحفاء الشوارب و إعفاء اللحية" (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث نمبر:۶۰۰،۶۰۲،۶۰۱، صحيح البخاری، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، حدیث نمبر:۵۸۹۲، باب إعفاء اللحى، حدیث نمبر: ۵۸۹۳، سنن الترمذی، كتاب الأدب، باب إعفاء اللحية، حدیث نمبر:۲۷۶۳،۲۷۶۴، سنن النسائی، كتاب الزينة، باب احفاء الشوارب و إعفاء اللحية، حدیث نمبر:۵۲۲۶، مسند للأمام أحمد، حدیث نمبر:۴۶۵۶)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مونچھیں پست کرنے اور داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا''

(ب) عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستشاق الماء، وقص الأظفار، و غسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء" (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، حدیث نمبر:۶۰۴،۶۰۵، سنن أبی داؤد، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، حدیث نمبر:۵۳، سنن الترمذی، كتاب الأدب، باب تقليم الأظفار، حدیث نمبر:۲۷۵۷، سنن النسائی، كتب الزينة، باب من السنن الفطرة، حديث نمبر:۵۰۴۰، ۵۰۴۲، سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة و سننها، باب الفطرة، حدیث نمبر:۳۹۲، مسند للامام احمد، حديث نمبر: ۲۵۱۰۴، صحيح ابن حزيمه، كتاب الوضوء، باب تسمية الاستنجاء بالماء فطرة، حدیث نمبر:۸۸، سنن الدارقطنی، كتاب الطهارة، باب السنن التی فی الرأس و الجسد، حدیث نمبر:۳۱۱، مصنف ابن ابی شيبه، كتاب الطهارات، باب الدليل على أن السواك سنة ليس

بواجب، **حدیث نمبر**:۱۵۲، ۲۴۴، السنن الکبری للنسائی، **حدیث نمبر**: ۹۲۸۶)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: دس چیزیں امور فطرت میں سے ہیں: مونچھ کاٹنا، داڑھی رکھنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں کے پوروں کو دھونا، بغل کے بال صاف کرنا، موئے زیر ناف کو مونڈنا اور استنجاء میں پانی کا استعمال کرنا''

رسول اللہؐ کے ان ارشادات کے علاوہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ، صحابہ، تابعین، تابعین اور تبع تابعین کا داڑھی رکھنے پر عمومی تعامل رہا ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مذکورہ روایت میں ''امر'' کا ''لفظ'' ہے، یعنی آپ ﷺ نے داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا، اور بعض روایتوں میں ''امر'' کا ''صیغہ'' استعمال کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ''واعفوا اللحي'' کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، امر کا لفظ ہو یا صیغہ ہو، وجوب کے لئے آتا ہے، اس سلسلہ میں علماء واصول فقہ کی چند صراحتیں نقل کی جاتی ہیں:

☆ واختلف أهل العلم فی قوله "افعل" إذا كان ندبا أو إباحة أو إشارة هل يسمىٰ أمرا بعد اتفاقهم على أنه إذا أراد الإيجاب كان أمرا" (الفصول فی الاصول:۸۱/۲)

☆ '' والصحيح من المذهب أن موجبه الوجوب إلا إذا قام الدليل على خلافه؛ لأن ترك الأمر معصية كما ان الايتمار طاعة"(**اصول الشاشي**:ص:۸۳/۸۴)

☆ "اختلفوا فی حكم الأمر......قال عامة العلماء: حكمه الوجوب"(**کشف الاسرار**:۱۶۸/۱)

☆ "قال الاصوليون: صيغة "افعل" مستعملة خمسة عشر وجها: الاول: الايجاب، كقوله تعالى: واقيموا الصلاة الخ" (المحصول فی علم اصول الفقه: ۳۹/۲)

☆ "اختلف الناس فی ذلك، فذهب الفقهاء و جماعة من المتكلمين واحد قولی ابی حنيفة علی انها حقيقة فی الوجوب" (المعتمد فی اصول الفقه: ۵۰/۱)

ان صراحتوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی رکھنے کا جو حکم دیا ہے، وہ محض استحباب کے طور پر نہیں ہے؛ بلکہ یہ وجوبی حکم ہے۔

۴۔ قرآن و حدیث کے بعد تیسری دلیل شرعی امت کا اجماع و اتفاق ہے، چنانچہ داڑھی کے مطلوب ہونے پر پوری امت متفق ہے، الموسوعة الفقهيه **میں ہے:**

'' إعفاء اللحية مطلوب شرعا اتفاقا" الموسوعة الفقهية: ۲۲۴/۳۵، ماده: لحية)

اس سلسلہ میں مذاہب اربعہ۔ اہل سنت والجماعت کی غالب ترین تعداد جن کی متبع ہے۔ کی تصریحات کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) فقہاء حنفیہ میں علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"يحمل الإعفاء على إعفائها من أن يأخذ غالبها أو كلها كما هو فعل مجوس الأعاجم من حلق لحاهم كما يشاهد فی الهنود و بعض أجناس الفرنج فيقع بذلك الجمع بين الروايات" (فتح القدير: (۳۵۲/۲، **کتاب الصوم**)

اور علامہ حصکفیؒ کا بیان ہے:

''ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته" (**الدر المختار مع الرد: ۵۸۳/۹، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ**)

نیز علامہ ابن عابدین شامیؒ رقمطراز ہیں:

''وفي شرح الشيخ إسماعيل: لا بأس بأن يقبض على لحيته، فإذا أراد على قبضته شئ جزه كما فی المنية، وهو سنة كما فی المبتغى" (رد المحتار: ۳۹۷/۳-۳۹۸، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد)

محدثین احناف میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''واللحية عندنا طولها بقدر القبضة...... وما وراء ذلك يجب

قطعه" (مرقاة المفاتيح: ۲۹۸/۸، بعض أحكام اللحي)

مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے داڑھی مونڈانے؛ بلکہ دوسری قوموں کی طرح تراشنے کو بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر قرار دیا ہے، جس کو قرآن مجید نے منع کیا ہے:

''واللحية هي الفارقة بين الصغير والكبير، وهي جمال الفحول وتمام هيأتهم، فلا بد من إعفائها، وقصها سنة المجوس، وفيه تغيير خلق الله" (حجۃ اللہ البالغۃ: ۵۰۷/۱-۵۰۸)

(ب) فقہاء مالکیہ نے پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ داڑھی مونڈانے کو حرام قرار دیا ہے؛ بلکہ داڑھی مونڈانے کو قابل تعزیر فعل گردانا ہے، چنانچہ علامہ دردیرؒ فرماتے ہیں:

''قال شيخنا في مجموعه: ولا يعيد مزيل كاللحية على الراجح، ولو كثيفة، وحرم على الرجل، ووجب على المرأة" (الشرح الصغير: ۱۱۰/۱، باب الطهارة)

نیز علامہ حطاب مالکی رقمطراز ہیں:

"وحلق اللحية لا يجوز" (مواهب الجليل: ۳۱۳/۱، باب الطهارة)

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک یہ قابل تعزیر جرم ہے، اس بارے میں علامہ محمد بن احمد دسوقی لکھتے ہیں:

''ويحرم على الرجل حلق لحيته وشاربه ويؤدب فاعل ذلك" (حاشية الدسوقي: ۱۵۰/۱، باب الطهارة)

(ج) فقہاء شوافع میں علامہ ابوزکریا نوویؒ فرماتے ہیں:

''أما إعفاء اللحية: فمعناه توفيرها، وهو معنى أوفروا للحي في الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية، فنهي الشرع من ذلك، وقد ذكر العلماء في اللحية اثني عشرة خصلة مكروهه......الثانية عشر حلقها" (شرح النووي على الصحيح للمسلم: ۱۲۹/۱، باب خصال الفطرة)

اسی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ امام نوویؒ نے لکھا ہے۔ (دیکھئے: کتاب المجموع: ۱۶۰/۱)

(د) فقہاء حنابلہ نے بھی صراحت کی ہے کہ داڑھی کا مونڈانا جرم ہے اور اس کا رکھنا واجب ہے؛ چنانچہ علامہ منصور بہوتی فرماتے ہیں:

''ويعفي لحيته ويحرم حلقها" (الروض المربع: ۲۵/۱، باب السواك و سنن الوضوء)

فقہ حنبلی کی ایک اور اہم کتاب "المعتمد" میں داڑھی کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''وحرم حلقها" (المعتمد في فقه الإمام احمد: ۳۱/۱، فصل في سنن الفطرة و نحوها)

مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہؒ سے منقول ہے کہ داڑھی مونڈانا معصیت ہے اور اس پر دوام اختیار کرنا فسق ہے:

''بل ان حلق اللحية معصية والدوام عليه فسق، وينقص ايمان العبد" (اختيارات ابن قدامة: ۱۱۱/۱، قص الشارب و إعفاء اللحية)

(ہ) اس کے علاوہ مختلف علماء سلف سے صراحتاً یا اشارۃً داڑھی رکھنے کا واجب ہونا اور اس کے مونڈانے یا ایک خاص حد سے زیادہ کٹانے کا ممنوع ہونا منقول ہے، چنانچہ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''ثم حكى الطبري اختلافا فيما يؤخذ من اللحية هل له حرام أم لا؟ فاسند عن جماعة الاقتصار على أخذ الذى يزيد فيهما على قدر الكف، وعن الحسن البصري: انه يؤخذ من طولهما و عرضهما ما لم يفحش، وعن عطاء نحوه، قال: وحمل هؤلاء النهي على منع ما كانت الاعاجم تفعله من قصها وتخفيفها...... قال عياض يكره حلق اللحية وقصها وتخفيفها، واما الأخذ من طولها و عرضها إذا عظمت فحسن" (فتح الباري: ۴۰۷/۱۰، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار)

(و) غرض کہ داڑھی مونڈانے کا حرام ہونا امت کے معتبر علماء وفقہاء کے نزدیک ایک مسلم اور متفق علیہ حکم ہے؛ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

''ذهب جمهور الفقهاء: الحنفية والمالكية والحنابلة

وهو قول عندالشافعية الى انه يحرم حلق اللحية؟ لانه مناقض للامر البنوى باعفائها وتوفيرها وتقدم قول ابن عابدين فى الأخذ منهاوهى دون القبضة لم يبحه احد، فالحلق اشد من ذلك، وفى حاشية الدسوقى المالكى: يحرم على الرجل حلق لحيته و يؤدب فاعله وقال ابو شامة من الشافعية: قد حدث قوم يحلقون لحاهم وهو اشد مما نقل عن المجوس انهم كانوا يقصرونها" (الموسوعة الفقهية: ۳۵/۲۲۶)

۵۔ داڑھی کو بعض جگہ سنت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے، کیوں کہ سنت کے سلسلہ میں دو اصطلاحیں ہیں، ایک اصطلاح کے مطابق سنت ایسے عمل کو کہتے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو اور امت کے لئے اس کا کرنا باعث ثواب تو ہو، لیکن واجب نہیں ہو:

"تطلق السنة فى اصطلاح الفقهاء: على ما كان من العبادات نقلا منقولا عن النبى ﷺ عند الشافعى وعند المالكية على ما امر به عليه و واظب عليه و اظهر ولم يوجب سواء سماه كذالك اولا، كسنن الوضوء وسنن الصلاة و سنن الحج" (تحفة المسؤول فى شرح مختصر منتهى السول: ۲/۱۷۱، وما بعده)۔

سنت کے سلسلہ میں دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو احکام بھی احادیث سے ثابت ہوں، خواہ وہ فرض وواجب کے درجہ کے ہوں یا سنت ومستحب کے، ہر ایک کو سنت کہہ دیا جاتا ہے، چنانچہ امام ابوبکر حصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

"واحكام السنة على ثلاثة انحاء: فرض و واجب وندب، وليس يكاد يطلق على المباح لفظ السنة و يستحق به الثواب" الفصول فى الاصول: ۳/۲۳۶)

چنانچہ فقہاء نے جہاں داڑھی رکھنے کو سنت سے تعبیر کیا ہے، وہاں یہی دوسری اصطلاح مراد ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس بات کا امر فرمایا ہو، اور جن فقہاء نے خود داڑھی رکھنے کے مقابلہ داڑھی مونڈانے کو حرام قرار دیا ہو، وہ اسے اس معنی میں ''سنت'' کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کا کرنا ضروری نہ ہو؟

۶۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ داڑھی رکھنا واجب نہیں سنت ہے، تو سنت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ داڑھی رکھنے کا عمل مذہب کے دائرہ سے باہر ہے، کیوں کہ سنن ومستحبات بھی اسلام کا ایک حصہ ہیں، اسی لئے فقہاء اکثر احکام خاص کر عبادات۔ جیسے طہارت، نماز، روزہ، حج، قربانی، وغیرہ۔ کے احکام کو بیان کرتے ہوئے اس میں ایک مستقل باب ''سنن'' کا قائم کرتے ہیں، ایسی صورت میں مسلمانوں کو داڑھی رکھنے سے روکنا یقینی طور پر اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکنا ہے۔

۷۔ بعض فقہاء اور شارحین حدیث نے داڑھی مونڈانے کے لئے ''کرہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے اصل معنی ''مکروہ ہونے'' کے ہیں، اس سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے؛ کیوں کہ یہ تعبیر بہت سے فقہاء کے یہاں حرام کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے، کیوں کہ مکروہ تحریمی بھی قریب بہ حرام ہی ہوتا ہے، چنانچہ محدثین عام طور پر محرمات پر ''باب كراهية......'' کا عنوان باندھا کرتے ہیں، کتب حدیث میں عام طور پر یہ تعبیر مروج ہے۔

۸۔ فقہ اور شروح حدیث کی اکثر کتابوں میں داڑھی مونڈانے کے بارے میں حکم شرعی کی صراحت نہیں ملتی، البتہ یہ بحث کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داڑھی کی کیا مقدار کٹائی جاسکتی ہے؟ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان حضرات کے نزدیک داڑھی کا مونڈانا جائز ہے؛ بلکہ اس کا پس منظر یہ ہے کہ داڑھی کے مونڈانے کا حرام ہونا اس قدر متفق علیہ مسئلہ ہے کہ یہ اہل علم کے نزدیک قابل بحث نہیں تھا، قابل توجہ بات یہ تھی کہ داڑھی میں سے کچھ حصہ ترشوانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو کتنی مقدار تراشی جاسکتی ہے؟ اس لئے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

۹۔ حاصل یہ ہے کہ

داڑھی کا ثبوت خود قرآن مجید سے بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، جو اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے، فقہاء امت اور سلف صالحین کا اجماع واتفاق ہے کہ داڑھی مونڈانا حرام ہے، داڑھی رکھنے کا حکم صرف سنت یا مستحب کے درجہ کا نہیں اور اگر بالفرض یہ صرف سنت ہی ہو، تو سنن ومستحبات بھی اسلام کا حصہ ہیں اور گو مسلمانوں پر مستحبات کا کرنا واجب نہیں؛ لیکن ان کو مستحبات پر عمل کرنے سے روکا بھی نہیں جاسکتا۔ ❁ ❁ ❁

تطبیق شریعت

از: ڈاکٹر دسوقی

(قاہرہ، مصر)

یہ حقیقت ہے کہ انسان کسی بھی عقیدے پر ایمان لائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، انسان کو فطرتاً ایسے ایمان کی شدید ضرورت کا احساس ہوتا ہے جو ایمان اس کے عقل ووجدان کو راحت وسکون بخشے، کیونکہ انسان کو بغیر کسی عقیدے کے روحانی یا عقلی راحت نہیں مل سکتی اور یہ عقیدہ ایسا ہو جو اس کے وجود کو معنی خیز اور اس روئے زمین پر اس کی زندگی کا مقصد بتلائے۔

جب سے اللہ تعالی نے اس انسان کو پیدا کیا ہے یہ انسان اس ایمان کا گن گا تا رہا ہے جو اس کے قلب وفکر کو راحت بخشے، یہ الگ بات ہے کے اسے جس چیز پر ایمان لانا چاہئے، اس سے الگ ہو کر ایک زمانہ دراز تک وہ بھٹکا رہا۔

اس انسان کے ساتھ (جسے اللہ تعالی نے مکرم ومعظم بنایا) اللہ تعالی کا رحم وکرم رہا ہے کہ اس نے سیدھے راستے کی ہدایت کے لئے مختلف انبیاء اور رسول بھیجے، اللہ تعالی نے انسان کو ایسی طاقتیں اور قوتیں بخشی جن کے ذریعہ وہ بھلائی اور برائی، حق اور باطل کے درمیان فرق کر سکے، ان سب کے باوجود انسان نے اللہ کو چھوڑ کر مختلف معبود بنایا اور عادات واطوار میں راہ حق سے ہٹ گیا، اگر اس انسان کو یونہی چھوڑ دیا گیا ہوتا اور اس کی جانب خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول نہ بھیجے گئے ہوتے تو اس کی زندگی جنگل کی زندگی سے الگ نہیں ہوتی، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کے ارادے کھانے پینے جیسی خواہشات میں گھر کر رہ جاتے اور اس طرح وہ انسانی بنیادی یا اخلاقی عقیدہ کی پابندی کو نہیں پہچان سکتا۔

اسلام کا پیغام یہ تھا کہ اب اللہ تعالی کی طرف سے رسولوں کے آنے کا سلسلہ ختم ہو گیا، محمد ﷺ آخری رسول ہیں اور یہ کہ اسلام سابقہ تمام ادیان پر حاوی وغالب ہے وہ اسی طرح سابقہ تمام ادیان کا ناسخ بھی ہے، ایسا اس لئے ہے کہ نبی کریمؐ سے پہلے جتنے انبیاء تشریف لائے ان تمام کی دعوتوں اور پیغامات کا مخاطب ایک محدود معاشرہ ہوتا تھا جو اس نبی ہی کی قوم ہوتی تھی اور اس طرح وہ تمام دعوتیں اور پیغامات مرحلہ وار ہوتی تھیں جن کی اہمیت وقتی ہوتی تھیں نہ کہ ہمیشہ کے لئے اور اللہ تعالی کی اس میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ انسانیت آخری پیغام ودعوت کے لئے تیار (ready) ہو جائے، اسلام کا پیغام جسے محمدؐ لے کر آئے یہ وہ جامع پیغام ہے جس کے بعد اللہ تعالی نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا اور اس اسلامی پیغام کو روز قیامت تک کے لئے تمام لوگوں کے حق میں کافی قرار دے دیا۔

اسلام کا یہ آخری اور دائمی پیغام ایسی محکم ومضبوط شریعت لے کر آیا جو ہمیشہ نفاذ وتنفیذ کے قابل ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ پیغام تحریف و تبدل (Alternation and Change) سے محفوظ رہا، اور اس شریعت پر عمل کرنا ایک معاہداتی ضرورت اور ایسا دینی فریضہ بن گیا جس کے بارے میں پوری امت بالخصوص علماء صالحین اور امراء سے اس بارے میں باز پرس ہوگی۔

زندگی کے تمام شعبوں میں نفاذ شریعت سے متعلق اس جائزہ اور مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ امت جو دور حاضر میں مختلف مسائل سے دوچار ہے اس کو اس بات کی تذکیر اور نصیحت کی جائے کہ اس امت کی بھلائی اور کامیابی اللہ تعالی کی شریعت کے نفاذ ہی میں ہے اور اسی شریعت میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ یہ ''مطالعہ'' ان ہی مضامین پر مشتمل ہے۔

مضامین میں اس بات کا ذکر ہے کہ اسلامی شریعت ان دیگر

قوانین سے کیسے ممتاز ہے جن قوانین کو زمانہ دراز تک انسانیت جانتی رہی۔ تمہید میں اس بات کا بھی ذکر ہے یہ اسلامی شریعت بارہ صدیوں سے زائد نافذ العمل رہی تا آنکہ استعمار اپنے مددگاروں کے ساتھ آدھمکا اور اس نے ایسے فرضی اور مبہم قوانین بنائے جن کے اسلامی معاشرے میں خطرناک اثرات تھے۔ فصل اول میں نفاذ شریعت کے لئے شرعی صفات کی وضاحت اور اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ اس نفاذ کے تئیں اھل الذکر علماء کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

مضامین میں اس سوال کا جواب ہے کہ اسلامی شریعت کا نفاذ واجب کیوں ہے؟ تیسری فصل میں بعض لوگوں کی طرف سے اسلامی شریعت کے نفاذ کے خلاف اٹھائے گئے اہم شبہات (doubts) اور ان شبہات کے ازالہ پر بحث کی گئی ہے۔

مضامین میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے علمی حکمتِ عملی اور غور وفکر پیش کیا گیا ہے اور بعض نتائج وسفارشات بھی پیش کی گئی ہیں۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ ہم سب کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے راستے پر گامزن فرمادے، ایسے زمانے میں جس میں اس دین اور مسلمانوں پر ہر طرف سے مخالفین کی یلغار ہے۔ "**ولینصرن الله من ینصره إن الله لقوی عزیز**" (الحج: ۴۰)۔

انسان کو شریعت یا قانون کی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قانون ان قواعد اور بنیادی چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جو جماعتوں کو منظم کرے، مظالم روکے، انفرادی اور اجتماعی حقوق کی حفاظت کرے، معاشرتی اور عدالتی انصاف کی تقسیم کرے اور قوموں کو بھلائی اور کمال کی جانب متوجہ کرے (دیکھئے: الإسلام وأوضاعنا القانونیۃ للأستاذ عبدالقادر عودہ/۰۲۔)۔

انسان ایک مدت سے قانون کو پہچانتا ہے، کسی بھی انسانی معاشرہ کی تہذیب وثقافت خواہ جس رتبہ کی بھی رہی ہو، مختلف رواج وروایات رہے ہوں جو اس معاشرے کے افراد کی خدمت کرتے رہے ہوں اور ان سے ضرر دور کرتے رہے ہوں اور خواہ وہ روایات طبقاتی یا نسلی بن چکے ہوں یا اس رسم ورواج پر مکمل عمل نہ ہو۔

بہرحال قانون ہر انسانی جماعت کی ایک ضرورت ہے اور ایسی حاجت ہے جس سے کوئی بھی امت مستغنی نہیں ہوسکتی ہے، قانون کے بغیر بدنظمی پھیلتی ہے اور زندگی میں اس کے بغیر استحکام واستقرار اور ترقی ونمو کے کچھ معنی ہی نہیں رہ جاتے۔

قانون کے پیغام کو نافذ اور ثابت کرنے کے لئے (اور ایسا ہونا بھی چاہئے) یہ ضروری ہے کہ اس قانون کے نفاذ کے لئے کوئی ایسا حاکم اور سلطان ہو جس کے احکام کو لوگ مانیں اور عام کریں، اس سلطان کے دو عناصر ہونے چاہئیں:

۱- خالص روحانی عنصر، یہی وہ رابطہ ہے جو قانون کے نصوص (Texts) کو افراد کے دلوں سے جوڑتا ہے اور ان کو ایسا بنا دیتا ہے کہ وہ افراد قانون قبول کرنے لگتے ہیں، قانون پر عمل کرنے لگتے ہیں، قانون کے احترام کے شائق ہوجاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس بات کا احساس جاگزیں ہوجاتا ہے کہ اگر وہ اس قانون کی مخالفت کریں گے تو گناہگار ہوں گے۔

ایسا روحانی عنصر اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب قانون کے نصوص کی بنیاد ان عقائد پر ہوں جن پر عوام الناس اور جمہور ایمان لائیں، یا ان نصوص کی بنیاد وہ دین ہو جس کو عوام مانتی ہو، یا ایسی بنیادی چیزوں پر ہو جو جمہور کے کارناموں کو اجاگر اور روشن کرے یا ان نصوص کی بنیاد وہ روایات اور تقالید ہوں جن کا عوام احترام کرتے ہوں۔

۲- قانون کے اندر جبری عنصر اور یہی وہ بدلہ ہے جسے قانون اپنے مخالفین پر لاگو کرتا ہے، مثلا: سزا، جرمانہ اور منسوخ وغیرہ۔

جب قانون میں یہ دونوں عناصر موجود ہوں گے تو یہ قانون زندگی کے لئے مفید ہوگا، انہی دو عناصر کے ذریعہ قانون لوگوں کے باطنی اور ظاہری طرز عمل پر حکومت کرتا ہے کیونکہ ایسے قانون کو خارجی طور پر قبول

کرنے سے پہلے باطنی طور پر قبول کیا جاتا ہے (سابقہ مرجع: ۶۳)۔

قدیم وجدید امتوں کے حالات وقوانین کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی شریعت ہی وہ واحد شریعت ہے جس کے قوانین میں خیر وصلاح اور نمو وبقا کی صلاحیت موجود ہے۔ ان دونوں عناصر (روحانی اور جبری) کا قانون کے لئے ہونا ضروری ہے تاکہ قانون بطور تنفیذ اور زندگی دونوں مکمل طور پر لائق ومناسب ہو، روحانی عنصر شریعت کے الٰہی مصادر ومراجع میں ملتا ہے اور یہ مصدر الٰہی احکام وشریعت کو تقدس وعزت اور سچا احترام عطا کرتا ہے، نیز یہ بھی بتاتا ہے کہ اس شریعت سے بغاوت یا اس میں کمی وکوتاہی نہ ہو، کیونکہ جو شخص کسی حکم شرعی میں کوتاہی کرتا ہے اور اگر وہ دنیاوی پکڑ سے بچ جاتا ہے تو وہ آخرت میں ہرگز نجات نہیں پا سکے گا۔

دوسرے عنصر میں مختلف چیزیں آتی ہیں: مثلاً احکام حدود ،تعزیرات اور وہ سزائیں اور عقوبات جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے، خود نفس کی گمراہی سے اور اللہ تعالی کی ممنوعات ومنہیات کے ارتکاب سے باز رکھتی ہیں۔

اسلامی شریعت میں نفاذ شریعت کے تعلق سے لوگوں کے درمیان فرق واختلاف نہیں ہے، لوگوں کے زندگی گزارنے کے طور وطریق اور معاشرتی مراتب (levels) خواہ کچھ بھی ہوں، اللہ تعالی کی شریعت کے آگے سب برابر ہیں۔

ایک طرف شریعت کا مصدر الٰہی اس شریعت کو احترام ،نفوذ شریعت اور لوگوں میں مساوات کے معاملہ میں دیگر تمام قوانین سے ممتاز کرتا ہے تو دوسری طرف اسے اس کے اصول وقواعد میں پختگی کے اعتبار سے بھی ممتاز بناتا ہے اور اس پختگی اور ثبات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت میں سختی اور جمود ہے، بلکہ ان اصول وقواعد اور شریعت میں پختگی کا مطلب یہ ہے کہ یہ تشریعیتجربات کی بدنظمی اور لاقانونیت کی حفاظت کا کام کرتی ہے۔ فقہاء کرام کے تمام اجتہادات کی بنیاد، ایک ہی اصول پر ہے اور فقہاء کرام کے اختلاف آراء انہی اصولوں کے دائرہ میں آتے ہیں جس کے سبب اس میں ترقی پیدا ہوئی ہے جو مختلف ماحول اور حالات کو شامل ہوتا ہے اور پے درپے زمانوں کے مطابق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قانون سازی کے کام میں پیہم نیاپن پیدا ہوتا رہتا ہے اور اس میں ایسی ترقی ہوتی رہتی ہے جس میں نرمی (flexibility) اور تازگی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے یہ عظیم شریعت ابدی نفاذ کے قابل بن جاتی ہے اور یہ دوسری تمام شریعت وقانون سے زیادہ بہتر اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بن جاتی ہے۔

اس شریعت کی درستگی اور اس کے اصول وقواعد کی پختگی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس شریعت کے مطابق بعثت کے زمانے سے اب تک اسلامی معاشرے میں عمل ہوتا رہا ہے، اگرچہ مختلف حالات کی وجہ سے اس شریعت کے نفاذ میں بعض کوتاہیاں ضرور ہوئی ہیں (یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے) اسی طرح موجودہ زمانہ میں بھی یہ کوتاہی ہوئی کہ اقتصادی اور سیاسی زندگی کے میدان سے شریعت کو الگ کرکے صرف عبادات اور ذاتی احوال (Personal Laws) کے میدان تک محصور کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوششیں ہوئیں۔

اس طرح کی کوششیں مصر پر فرانسیسی حملہ کے وقت شروع ہوئیں، چنانچہ نپولین نے مصر میں فرانسیسی قوانین نافذ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ دنیائے اسلام میں خودساختہ قانون کو داخل کرنے کے لئے اس نے دروازہ تو کھول ہی دیا۔

نفاذ شریعت کے لئے شرعی صفات

صفت شرعی سے مراد حکم الٰہی وقانون کی اور اس بات کی وضاحت ہے کہ کیا اس حکم میں فرض، واجب، سنت اور استحباب کی صفات شامل ہیں؟

اللہ تعالی نے کوئی بھی قانون یا شریعت بیکار اور لغو نہیں بنائی، اللہ تعالی کی ذات ان چیزوں سے پرے ہے اور وہ محض قانون سازی میں خواہش ورغبت کی وجہ سے کوئی قانون نہیں بناتا بلکہ وہ قانون اس لئے بناتا ہے تاکہ دنیا اور آخرت میں اس کے مخلوق بھلائی حاصل کریں اور ان بھلا

ئیوں کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے تمام احکامات کو عبادات اور معاملات وغیرہ کے درمیان فرق کئے بغیر نافذ کیا جائے۔

احکام شریعت ہی امتوں میں اتحاد کی بنیاد ہے، ان احکام کے نظری اور تنقیدی گوشوں (Theoritical and practical aspects) کے درمیان اختلاف وفرق نہیں ہے، کیونکہ ایمان صادق وہی ہے جو قلب میں گھر جائے اور اس کے مطابق عمل کا صدور ہو۔ قرآن کریم کی ایک سے زائد آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ عمل صالح وہی ہے جو ایسے ایمان کے نتیجہ میں آئے جس کے تئیں کوئی شک وشبہ نہ ہو اور ایسا ہی ایمان اس دنیا میں پاکیزہ زندگی کا ضامن ہے اور جس دن تمام لوگ اللہ تعالی کے حضور پیش ہوں گے، بہتر بدلہ ہے۔ اللہ تعالی نے سورہ نحل میں ارشاد فرمایا ہے: "من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ماكانوا يعملون" (سورہ نحل: ۹۷) (نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے)۔

اگر اس حقیقت پر ایمان ہو کہ احکام شریعت میں عبادات اور معاملات کے درمیان اختلاف اور فرق نہیں ہے تو یہ ایمان جمہور کے احساسات اور وجدان پر چھا جائے گا، اس کے باوجود کچھ ایسے مسلمان بھی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص دونوں کلمہ شہادت زبان سے ادا کر دے تو وہ پوری زندگی مسلمان رہے گا، چاہے اس کے اعمال وافکار جیسے بھی ہوں وہ شخص ضرور جنت میں داخل ہوگا حالانکہ اللہ کی شریعت کے احکامات کی پیروی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسلمانوں کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اگر کوئی شخص دونوں کلمہ شہادت کا گویا ہوتا ہے تو اس انسان پر مسلمان ہونے کا لیبل لگ جاتا ہے، اس کے افکار وخیالات اور جذبات واعمال چاہے جو بھی ہوں وہ پوری زندگی مسلمان رہے گا، صرف ظاہر کو دیکھنا چاہئے اور ظاہر میں صرف یہ کافی ہے کہ کہا جائے: لا إله إلا الله، اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ لینے اور اس کو ماننے اور اس ایمان کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سارے لوگ اسلام کے مفہوم کو تنگ کر کے صرف دونوں کلمہ شہادت کی گویائی پر اکتفا کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ نفاذ شریعت ان چیزوں میں سے ہے جو حالات کے حساب سے حاکم اور سلطان جب چاہتا ہے بدلتا رہتا ہے اور موجودہ دور نفاذ شریعت کی اجازت نہیں دیتی، یہ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ جو لوگ نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں وہ لوگ اللہ تعالی کی دین میں بدعت اور غلو کرتے ہیں اور وہ لوگ اس امت کو پیچھے دھکیلنے یا ترقی اور پیش رفت کی تیز گامی پر قدغن لگانا چاہتے ہیں (دیکھئے: تطبیق الشریعۃ الاسلامیہ لاستاذ محمد قطب، مطبوعہ مکتبہ السنۃ قاہرہ)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نفاذ شریعت سے دور کرنے والے اس طرح کے افکار وخیالات فکری پستی کی دلیل ہیں جو اس طرح کے خیالات کے حاملین اور ان کے صحیح دین وفقہ کے درمیان حائل ہوگئی ہیں اور اس فکری پستی نے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ وہ ایسے احکام وقوانین تخلیق کریں جن کا رسول سے کوئی واسطہ نہیں، اور یہ احکام امت مسلمہ کے ذہن ودماغ میں اسلامی مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور یہ سب کچھ دوجہتی تعلیم اور پٹرول کی مادی ثقافت کے غلبہ کا نتیجہ ہے، اور یہ وہ ثقافت ہے جو اسلام کا تصور اس طرح پیش کرتا ہے کہ گویا اسلام وہ قوت ہے جس سے مغرب ڈرتی ہے، یا اسلام ایک خطرہ ہے جو استعمار وغلبہ کے مصالح کے لئے دھمکی آمیز ہے، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مشنری اور مستشرق لوگوں پر (Missionary and Orientalists) پر بہت ساری دولت خرچ کی گئی اور مغرب نے کوشش کر کے ایسے قوانین بنائے جو اسلامی شریعت کو اپنے اصل مقصد حیات سے برگشتہ کر دے۔

اسلام عقیدہ اور شریعہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں، کوئی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتا، ان میں سے عقیدہ بنیاد اور جڑ کی حیثیت رکھتا ہے جو شریعت کی طرف دعوت دیتا ہے اور شریعت عقیدہ کے تئیں قلب کی انفعالی اور عملی

جواب وقبول ہے، ان دونوں کے باہم مربوط ہونے ہی میں نجات وکامرانی مضمر ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کے لئے تیار کیا ہے، اگر کوئی شخص عقیدہ پر ایمان لاتا ہے اور شریعت کو لغو قرار دیتا ہے، یا شریعت پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن عقیدہ کو کمتر سمجھتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک مسلم نہیں ہے اور نہ ہی وہ اسلامی قانون کے اعتبار سے نجات وکامرانی کے راستے کو اختیار کرنے والا ہے (دیکھئے: الاسلام عقیدة وشریعة للشیخ محمد شلتوت ۱۱/، مطبوعہ دار الشروق)۔

یہ بہت ہی ذلت آمیز اور دردناک بات ہے کہ امت محمد یہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور شریعت کے مطابق اپنے فیصلے کروائے، چاہے وہ ذرائع کچھ بھی ہوں جنہیں بعض مسلمانوں نے جہالت اور فکری تقلید وروایت پسندی کی وجہ سے اپنا رکھا ہے، جس نے اس امت کو اس پیغام ورسالت اور امتیاز وتفوق سے الگ کر دیا جس سے اللہ تعالی نے انہیں مزین کیا تھا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله“ (آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفاذ شریعت کے لئے شرعی صفت کی پیروی ایسا مقدس فریضہ ہے جو تمام امت کو بطور خاص علماء اور امراء کو اس کی ادائیگی کا احساس دلاتا ہے، کیونکہ وہ وارثین انبیاء اور حاملین شریعت ہیں، لہذا ان پر ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کو مسلک کے طور پر پیش کریں جو شکوک وشبہات سے پاک ہوں، زندگی کے لئے فائدہ بخش ہوں اور اس میں پیہم ترقی ہوتی رہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ احکام اپنے عقیدے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے اصول وبنیاد سے تجاوز نہ کرے، مزید یہ کہ یہ علماء کرام اور حکماء وغیرہ باطل طاقتوں کی بیخ کنیکر دیں جو ان احکام کے ہر زمانہ اور ہر جگہ فائدہ بخش ہونے میں شک وشبہ پیدا کرنے کی کوششیں کرتی ہیں، امراء اور حکام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امت کو آپسی اور مسلکی اختلاف سے بالاتر ہو کر احکام الہیہ کی پابندی پر آمادہ کریں تا کہ کسی قسم کا کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور مکمل دین صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔

نفاذ شریعت واجب کیوں ہے؟

نفاذ شریعت واجب کیوں ہے؟ اس طرح کا سوال او راس کا جواب لغو اور بے سود ہے، کیونکہ شریعت اسی لئے نازل ہوئی کہ اس کا نفاذ ہو اور اس کے تمام احکامات پر عمل کیا جائے، نفاذ شریعت اور اس کی مکمل طور پر پابندی کے سلسلے میں بعثت کے زمانہ سے لے کر عہد قریب تک مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں رہا ہے، نفاذ شریعت میں کوتاہی اور کمی یا تو کفر شمار ہوگا یا فسق وظلم۔

موجودہ زمانہ میں مغرب اور اس کی راہ پر چلنے والے شیطانوں نے جب اسلام اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا اور ان کو عالم اسلامی کی کمزوری اور تخلف نے اس بات کا موقع فراہم کیا کہ وہ عالم اسلام پر غاصبانہ قبضہ کریں اور ایسے قوانین اور رسوم ورواج کی تخلیق کریں جو اسلامی عقیدہ میں مزید شکوک وشبہات کا باعث بنے، ان وجوہات کی وجہ سے مسلم مفکرین کے درمیان بھی نفاذ شریعت کے وجوب کے حوالہ سے اختلاف پایا جانے لگا۔

مسلمانوں کی زندگی میں مغرب کے اثرات سے متعلق ابوالاعلی مودودیؒ کہتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ان لوگوں (مغرب) نے ہم میں سے کسی کو کافر نہیں بنایا جو اسلام سے پھر گیا ہو، لیکن میرا خیال ہے کہ ان لوگوں نے سو مسلمانوں میں سے دو کو بھی ایسا نہیں چھوڑا جو فکر ونظر، ذوق وسیرت اور اخلاق واعمال کے اعتبار سے خالص دین پر ہوں، یہی وہ خطرناک چیز ہے جسے ان لوگوں نے ہم مسلمانوں کے ساتھ چسپاں کر دیا، ہمارے دلوں سے ہماری تہذیب وثقافت نکال دی اور ان میں دوسری تہذیبوں کی بیج بودیا (دیکھئے: مختصر تاریخ تجدید دین؛ سید ابو الاعلی مودودی ۷۶/)۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

عالم اسلام نے مغرب کی بے جا طاقت وقوت سے ٹکرانے کی کبھی

ہمت افزائی نہیں کی، کیونکہ وہ طبقہ جوان کے زمام کار کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ بالآخران کی حاشیہ برداری میں زندگی گذارتا ہے، اور عمومی طور پر عالم اسلام میں مغربی واستعماری اقدار کے فروغ کے اسباب وعوامل یہی ہیں، مزید یہ کہ مغرب کی کوششوں کا محور یہ ہے کہ اقوام عالم کے دلوں میں ایمان وعقیدہ کو منقسم کر کے کمزور کر دیا جائے، اخلاق کریمانہ کی بیخ کنی کر دی جائے اور صاف وشفاف وباعزت سوسائٹی ومعاشرہ کو جرائم وگناہ سے ملوث کر دیا جائے، عالم اسلام ان کے منصوبہ بند پلان کے مطابق ڈھل جائے اور آہستہ آہستہ بڑے وقار وبردباری اور شعور وآگہی کے ساتھ مغربی تہذیب وثقافت کا حصہ بن جائے۔

شیخ ندوی کا خیال ہے کہ ان دنوں اس امت مسلمہ کا قضیہ اسلامی اور مغربی اقدار کے مابین فکری معرکہ آرائی پر مبنی ہے اور یہی حقیقی معرکہ ہے جس سے آج عالم اسلام دوچار ہے اور عنقریب یہ معرکہ اپنی اصل جگہ لے لے گا۔

جب اس کی طرف میں نے اشارہ کر ہی دیا تو بادل ناخواستہ یہ بھی ضروری ہوگیا کہ اس طرح کا سوال کیا جائے اور اس کا جواب شاید یوں ہو کہ یہ تو ثابت ہے کہ موجودہ امت شریعت الٰہی کو مضبوطی سے تھامے بغیر عزت ورفعت نہیں پا سکتی، اس امت نے خواہی نخواہی مغربی قوانین کا تجربہ ضرور کیا ہے اور اس تجربہ کے بعد اس امت کو سوائے اس کے کچھ نہیں ملا کہ یہ امت پچھڑ گئی، اس کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا، فکری کشمکش میں مبتلا ہوگئی اور اس کی تہذیب وثقافت کمزور ہوگئی۔

امت کے بہتیرے قائدین اور روشن خیالوں نے مارکسزم کے خیالات (Marxist theories) کو مانا اور عالم اسلام میں ان نظریات کے نفاذ کے لئے کوششیں کیں، مگر اس نظریہ نے ان روشن خیالوں کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں کیا، کیونکہ مارکسزم نظریہ میں جماعتی حق کے سلسلے میں افراط اور شخصی حق (Individual Right) کے سلسلے میں تفریط پائی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نظریہ ناکام رہا اور ملک کے اس نظریہ کو نکال پھینکا، جبکہ ملک قول وفعل دونوں اعتبار سے اس نظریہ کا داعی اول تھا۔

جب مارکسزم کے نظریات کا تجربہ کامیاب نہ ہوسکا اور اس نظریے کے بڑے بڑے داعین نے اسے ٹھکرا دیا تو دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کے نظریات بھی معاشرتی انصاف اور قومی اقتصادی ترقی کے میدان میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس نظریہ کی ناکامی کی سب سے بہتر نظیر عالمی سطح پر مالی بحران ہے، کیونکہ اس نظریہ نے شخصی حق میں افراط اور جماعتی حقوق میں تفریط سے کام لیا، چنانچہ اس نتیجہ تک پہنچنا ضروری تھا جو آج ہمارے سامنے ہے۔

تقریباً ایک صدی تک عالم اسلام اس تشریعی بدنظمی کا شکار رہا کہ مارکسزم نظریات کی پیروی کی جائے یا سرمایہ دارانہ نظام کی، جبکہ ان دونوں نظریات سے مختلف نظریہ جو اس کے پاس ہے، اس سے عالم اسلام غافل رہا، یہ حقیقت ہے کہ عالم اسلام کے نظریات کی بنیاد وحی الٰہی ہے کوئی بشری اور انسانی فکر نہیں ہے اور اس نظریہ کی بنیاد اعتدال، درمیانی راستہ اور شخصی اور جماعتی حقوق کے ارادہ وفیصلہ کی پابندی پر منحصر ہے، ساتھ ساتھ اس نظریہ کی خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کے نفاذ کے لئے اس کے اندر دائمی صلاحیت ہے او رپوری معزز انسانیت کی زندگی کے لئے کفالت کا مادہ اس کے اندر موجود ہے۔

اپنی قوت وشوکت اور عافیت وسلامتی کو دوبارہ حاصل کرنے کا دوسروں اور کے حق میں نظیر بن جانے کا راستہ عالم اسلام کے پاس صرف یہ ہے کہ شریعت کا نفاذ ہو اور ایسی امت کے خاتمہ کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ وہ ایسے قوانین کا نفاذ کرے جو جماعتوں کے درمیان تفرقہ وانتشار پیدا کرے اور جو اس امت کے لئے پاکیزہ زندگی کی ضمانت نہ لے سکے، ہاں اس امت مسلمہ کے پاس اس طرح کے تمام قوانین سے بہتر اور عمدہ قانون، قانون شریعت موجود ہے اور شریعت اس کے عقیدے کا جزء لاینفک ہے اور اس میں کوتاہی یا بےعملی گناہ ہے، جس کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگی میں سزائیں ہیں۔

حسن اخلاق............سیرت النبیؐ کے آئینہ میں

مولانا شاہ قادری مصطفیٰ رفاعی ندوی
رکن اساسی بورڈ، بنگلور

انسان کی عملی سیرت کا نام ''اخلاق'' ہے، قرآن کے سوا اور کسی دین و مذہب کے کتاب وصحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت، اس بات کی کھلی شہادت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے اعمال (اخلاق) کے لحاظ سے بھی بدر جہا بلند و بالا انسان رہا، لیکن قرآن نے نبی کریمؐ کے بارے میں صاف اعلان کیا کہ 'اور بے شک آپؐ تو بڑے درجہ کے اخلاق پر ہیں'' (سورۂ قلم)۔

اللہ تعالی نے آپؐ کی اسی اخلاقی شان کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: '' تمہارے پاس خود تم میں سے ایک رسول آیا، جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بہت حریص ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے'' (سورۂ توبہ: ۱۲۸)۔ آپؐ کے اخلاق عالیہ کی دلیل ہے کہ آپؐ لوگوں کی پریشانیوں پر خود پریشان ہو جاتے تھے اور لوگوں کی بھلائی اور راحت کے لئے جس طرح بھی ممکن ہوتا آپؐ تعاون کرتے تھے، اور جہاں تک مومنین کا تعلق ہے آپؐ ان پر حد درجہ شفقت کرتے اور ان کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرتے تھے۔

اللہ تعالی نے آپؐ کی اسی اخلاقی شان کو اس طرح بیان فرمایا کہ: ''اللہ کی عنایت سے آپؐ ان کے لئے نرم ہیں اور اگر آپ کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے'' (آل عمران: ۱۵۹)۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں صاف بتایا کہ آپؐ نرم خو ہیں اور اچھے خصائل کے ہیں اور رحمدل ہیں۔ یہ سارے اوصاف اس بات پر دلیل ہیں کہ آپؐ اخلاق کے اعلی مراتب پر فائز ہیں اور اللہ تعالی آپ کو حسن اخلاق کے بلند و برتر افضل درجات عنایت فرمائے ہیں۔ انہیں اخلاق کی وجہ سے سارا عالم آپؐ کے ساتھ ہے، سارا عالم آپؐ کا گرویدہ اور آپؐ پر فدا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ ''بحیثیت ایک عملی پیغمبر کے آنحضرتؐ کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جو حکم آپؐ پر اتارا گیا، آپؐ نے خود اس کو کر کے بتایا، حسن عمل و حسن اخلاق کی باتیں جس قدر آپؐ نے فرمائیں، ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپؐ کی زندگی میں نظر آیا (خطبات مدراس ص: ۱۰۸)۔

چند صحابی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور اکرمؐ کے اخلاق و معمولات بیان فرمائیے۔ ام المومنینؓ نے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ پھر آپ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا'' (ابوداؤد)۔ یعنی قرآن مجید، الفاظ و کلمات وعبارات ہے اور حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ اس کی مکمل عملی تفسیر ہے۔

انسان کے اخلاق و عادات اور اعمال و خصائل کے بارے میں حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں کہ ''آپؐ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروض کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کی طرفداری کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں (بخاری)، حضرت علیؓ حضور اکرمؐ کے اخلاق کی اس طرح گواہی دیتے ہیں کہ ''آپؐ ہنس مکھ تھے، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے بہت نیک تھے، مزاج میں مہربانی تھی، سخت طبیعت کے نہیں تھے، کوئی نامناسب کلمہ کبھی زبان سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے، کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے، نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کرتے اور نہ اپنی منظوری ظاہر

فرماتے تھے، واقف کار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ ؐ کا منشاء کیا ہے، یہ اس لئے تھا کہ آپ ؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، بے شک آپ ؐ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ ؐ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہوجاتے، آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ ؐ سے ملتا جلتا آپ ؐ سے محبت کرنے لگتا'' (شمائل ترمذی)۔

حضور اکرم ؐ کے حسن اخلاق اور پاکیزہ خصائل کے تعلق سے مندرجہ بالا شہادتیں ان لوگوں کی ہیں جو آپ ؐ سے بہت نزدیک تھے اور آپ ؐ سے بہت زیادہ واقف تھے، آپ ؐ کی سیرت طیبہ کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ؐ نے اپنی امت کو اخلاق و اعمال میں جو نصیحت فرمائی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔

اخلاق و معاملات، اعمال و معلومات میں آپ ؐ کی جامعیت پر اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے فیصلہ فرمادیا کہ 'رسول اللہ ؐ کی زندگی تمہارے لئے حسین نمونہ ہے'' (احزاب:۲۱) اور علی الاطلاق حکم صادر فرمادیا کہ ''رسول اللہ تمہیں جو حکم دیں، اختیار کرو اور جن باتوں سے منع کریں، ان سے باز آجاؤ'' (حشر:۷)۔ جن لوگوں کو اللہ تعالی سے محبت کا دعوی ہے، اللہ تعالی نے رسول اکرم ؐ کی زبانی ان کو مخاطب کر کے امر فرمادیا کہ 'آپ فرمادیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو' (آل عمران:۳۱)۔

اور اللہ تعالی نے آپ کی شان میں علی الاعلان فرمادیا کہ 'ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (الانبیاء:۱۰۷)۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ ''حضرت محمد ؐ نبوت کے اعلی خوبیوں کے ساتھ ''اخلاق طیبہ'' (محبت، رحم دلی، ہمدردی) کے اس درجہ حامل تھے کہ اس سے زیادہ کسی انسان کے لئے ممکن نہیں، سارے انسانوں کے ساتھ ہمدردی و محبت کا ایسا عمل کرتے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، آپ نے اپنے اخلاق و محبت کی خصلتوں سے لوگوں کے دل جیت لئے تھے، آپ سے ایک مرتبہ جو بھی مل لیتا، وہ آپ کا گرویدہ اور آپ پر فریفتہ ہوجاتا'' (نقوش سیرت/ص ۰۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''صرف آپ ؐ ہی کی ذات ہے جو تمام انسانیت کے لئے آئیڈیل بنائے جانے کے لائق ہے، آپ کسی ایک طبقہ، ایک ذات برادری، ایک علاقہ، ایک نسل، یہاں تک کہ کسی ایک مخلوق کے لئے محدود پیام رحمت نہیں بلکہ آپ کی رحمت کا دائرہ تمام انسانیت اور تمام مخلوقات کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے ہے'' (خطبات بنگلور دوم:/ص ۳۷)۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں: ''وہ غریب کا محبؐ، صدق کا منبع، چارہ گروں کا دردمند، خاکساری کا نمونہ، اخوت کا بانی، بے آسروں کا آسرا، مسکین کا ساتھی، صبر کا معدن، رحمت کا پتلہ، مساوات کا حامی، یتیموں کا سہارا، بے خانماؤں کا ماوی اگر رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ (اخلاق) صفات کا جامع کا اور کیا نام ہوگا؟ (رحمۃ للعالمین جلد دوم/ص ۳۳۶)۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ: ''محمد کا اصل مادہ ''حمد'' ہے، حمد اصل میں کسی کے ''اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ اور کمالات اصلیہ اور فضائل حقیقیہ اور محاسن واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں، لہذا لفظ محمد جو تحمید کا اسم مفعول ہے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ذات ستودہ صفات کہ جن کے واقعات اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت و عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے'' (سیرۃ المصطفی جلد اول/ص ۶۳)۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور حوالہ جات کا ماحصل یہی ہے کہ مسلمان حضور اکرم ؐ کی حیات طیبہ وسیرت مبارکہ کو ہی عملی نمونہ بنائیں اور آپ ؐ کے اخلاق کو اختیار کریں، اپنے اعمال و معاملات میں ''حسن اخلاق'' کو شامل کریں اور تمام کاموں، شب و روز کے سب معمولات میں اس کا بطور خاص خیال رکھیں کہ وہ اخلاق کا اعلی نمونہ ہوں۔ بدن کا استعمال بالخصوص دماغ کی سوچ اور زبان سے بات چیت، اخلاقیات کے معیار سے ہٹ کر نہ ہو، ساری زندگی لمحہ لمحہ اسی احتیاط سے، امت کا ہر فرد یہ ثابت کرے کہ وہ واقعی حضرت محمد ؐ جن کو اللہ تعالی ''انک لعلی خلق عظیم'' اور ''وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین'' کا خطاب عنایت فرمایا ہے، کا تابعدار و فرمانبردار امتی ہے۔

❀ ❀ ❀

قرآن مجید کا تصور معاش اور اصلاح اقتصاد

محمد عمر اسلم اصلاحی
استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ

انسانی زندگی کو جن اسباب و وسائل کی شدید ضرورت ہے ان میں سے کچھ روحانی ہیں اور کچھ مادی۔ اس میں شبہ نہیں کہ روحانی اسباب و وسائل کا حصول زیادہ اہم اور بنیادی ہے لیکن اس سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ مادی اسباب و وسائل کو یکسر نظر انداز کر کے زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ روحانیت کا تعلق اگر معاد سے ہے تو مادیت کا معاش سے۔ اور معاش معاد کی کامیابی کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اسی لئے ہر عہد میں مسئلہ معاش کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔

معاشی نظام کے دو اہم جز ہیں۔

۱- دولت کا حصول ۲- دولت کا استعمال

دولت کا حصول

اللہ تعالی نے جس زمین پر انسانوں کو بسایا ہے اسی میں ان کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل کا انتظام بھی فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: اور ہم نے زمین میں تم کو اقتدار بخشا ہے اور تمہارے لئے اس میں معاش کی راہیں کھولی ہیں۔ (الاعراف: ۱۰)

اسی لئے اس نے زمین کی تمام چیزوں کو انسانی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بتایا فرمایا: وہی ہے جس نے زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا۔ (البقرۃ: ۲۹)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان اشیاء کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں اور انہیں معاشی مسائل کے حل کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے: اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے بارش نازل کی پھر اس سے پھل نکالے، تمہارے لئے سامان رزق کے طور پر اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا تا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کیا اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کئے اس حال میں کہ وہ دونوں گردش کر رہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا اور تم کو اس نے وہ ساری چیزیں دیں جن کی تمہیں احتیاج تھی۔ (ابراھیم: ۳۲-۳٤)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وسائل معاش یا دولت کا حصول نہ صرف یہ کہ مبغوض نہیں ہے بلکہ ضروری اور مطلوب بھی ہے، اب سوال صرف یہ باقی رہتا ہے کہ حصول دولت کا طریقہ کیا ہو؟

حصول دولت کے دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک حرام دوسرا حلال، لیکن حلال و حرام کو جاننے سے پہلے ان اصولی باتوں کو جاننا ضروری ہے جن سے حلال و حرام میں تمیز اور ان کا تعین ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ایک اصولی بات یہ فرمائی کہ جس پیغمبر کو ہم نے اپنے منشور کے اعلان اور اس پر عمل درآمد کا عملی نمونہ بنا کر بھیجا وہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ (الاعراف: ۱٥۷)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے پیغمبر پر ایمان لانے اور اس کے نمونۂ عمل کو اپنی زندگی میں اتارنے والوں کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا ہے: جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، وہی دراصل اہل ایمان ہیں اور اہل ایمان کو

بشارت دے دو۔(التوبہ:۱۱۲)

دوسری اصولی بات یہ فرمائی کہ ہمارا پیغمبر لوگوں کے لئے پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔(الاعراف:۱۵۷)

اے لوگو کھاؤ اس میں سے جو زمین میں ہے حلال اور پاک۔(البقرۃ:۱۶۸)

ان دونوں اصولی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں بھیجا تو ہر چند کہ انہیں اختیار کی آزادی دے کر بھیجا تاہم انہیں کچھ حدود کا پابند بھی بنایا۔ان حدود میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور کسب حلال یا بالفاظ دیگر حصول دولت کا حلال طریقہ بھی ہے، حصول دولت کے حلال طریقوں کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی کا استحصال نہیں ہوتا۔

کسب حلال یعنی حصول دولت کے حلال طریقے بے شمار ہیں ان کی تفصیلات اور استقصاء مشکل ہے، کیونکہ عہد بعہد ان طریقوں میں تبدیلی یا نت نئے اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیلات بہت زیادہ نہیں بیان فرمائی ہیں، لیکن حصول دولت کے جو ناجائز اور حرام طریقے ہیں ان کی وضاحت فرما دی ہے۔

۱ فروغ شرک کے ذرائع ۲۔ مخرب اخلاق اشیاء کا کاروبار

۳۔ سودی کاروبار ۴۔ چوری اور ڈاکہ زنی

۵۔ ناپ تول میں کمی بیشی ۶۔ امانت میں خیانت

۷۔ دوسروں کی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ

۸۔ کمزوروں کے مال میں بے جا تصرف

فروغ شرک کے ذرائع

جو چیز حرام ہوتی ہے اس کی تجارت اور اس کا کاروبار بھی حرام ہوتا ہے چونکہ شرک ناجائز اور حرام ہے اس لئے فروغ شرک کے تمام ذرائع بھی ناجائز اور حرام ہوں گے چنانچہ بت گری اور بت فروشی کے کاروبار سے متعلق ہر کمائی حرام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے گندگی سے تعبیر فرمایا ہے اور گندگی سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے:اے ایمان والو! شراب جوا، تھان اور پانسے کے تیر بالکل نجس شیطانی کاموں میں سے ہیں تو ان سے بچو۔(المائدہ:۹۰)

مخرب اخلاق اشیاء کا کاروبار

ایسا کاروبار جس سے ہر شخص کے انفرادی اور سماج کے اجتماعی اخلاق پر منفی اثر پڑتا ہو اس کی کمائی بھی حرام ہوگی کیونکہ یہ کاروبار بھی حرام ہے، اس کاروبار میں زنا اور فحبہ گری رقص وسرور،عیش وطرب، کی محفلیں جوا اور شراب سب شامل ہیں

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ متعدد آیات ہیں جو اس باب میں صریح رہنمائی کرتی ہیں، مثلا زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہرایک کو سوسو کوڑے مارو۔(النور:۲)

اور تم زنا کے قریب بھی مت پھٹکو کیونکہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور نہایت بری راہ ہے۔(بنی اسرائیل:۳۲)

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں ایک دردناک عذاب ہے۔(النور:۱۹)

اور وہ بے حیائی اور برائی سے روکتا ہے۔(النمل:۹)

کہہ دو اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔(الاعراف:۲۸)

اور اپنی لونڈیوں کو پیشہ پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ عفت کی زندگی گذارنا چاہتی ہیں محض اس لئے کہ کچھ متاع دنیا تمہیں حاصل ہو جائے۔(النور:۳۳)

اور لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فضولیات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کریں بغیر کسی علم کے اور ان آیات کا مذاق اڑائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(لقمان:۶)

سودی کاروبار

سود حصول دولت کا بڑا سستا مگر عام ذریعہ ہے، یہ کاروبار اس قدر پھیل گیا ہے کہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی ہے اور اب تو بعض لوگ یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود نہیں بلکہ ربا کو حرام قرار دیا ہے اور موجودہ سود عہد رسالت مآب کے ربا سے مختلف چیز ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ اگر موجودہ سود کو سامنے رکھا جائے اور ''ربا'' کے معنی و مفہوم اور استعمال پر نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ دونوں کی روح میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ ''ربا'' کا معنی و مفہوم بتاتے ہوئے علامہ ابن العربیؒ نے لکھا ہے۔

ربا کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں (احکام القرآن ۱۹۶، ص ۲۴۲) اور آیت (و احل الله البيع و حرم الربا) میں اس سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو۔

''ربا'' کے معنی تمام اہم لغات میں ''بڑھنا، زیادہ ہونا، اور نشو ونما پانا'' ہی ہے۔ (ملاحظہ ہو لسان العرب لابن منظور اور تاج العروس للزبیدی)

ربا اور سود کو دو مختلف چیزیں قرار دینے والے کیا یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ موجود سودی نظام میں زیادتی بلا عوض نہیں ہے اور اگر ہے اور یقیناً ہے تو جس طرح ربا حرام ہے اسی طرح سود بھی حرام ہے اور جب سود حرام ہے تو سودی کاروبار حرام ہے۔

قرآن مجید میں سود کی حرمت پر مشتمل جتنی آیات آئی ہیں سب کا لب ولہجہ خاصا گرم اور سخت ہے، ارشاد ہوا

اور جو سودی قرض تم اس لئے دیتے ہو کہ وہ دوسروں کے مال کے اندر پروان چڑھے تو وہ اللہ کے ہاں پروان نہیں چڑھتا اور جو تم زکوۃ دو گے اللہ کی رضا جوئی کے لئے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کے ہاں اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں۔ (الروم:۳۹)

اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا اور اللہ ناشکروں اور حق تلفوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ:۲۷۶)

اے ایمان والو تم سود نہ کھاؤ دوگنا چوگنا بڑھتا ہوا اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (آل عمران:۱۳۰)

یہود کے جن جرائم کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزوں کو بھی ان پر حرام کر دیا تھا ان میں سے ایک حرام سود خوری بھی رہا ہے، قرآن کہتا ہے:

پس یہودیوں کے ظلم کے سبب سے ہم بعض پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال تھیں اور بوجہ اس کے کہ وہ سود لیتے ہیں حالانکہ اس سے ان کو روکا گیا ہے اور بوجہ اس کے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھاتے ہیں اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء:۱۶۰،۱۶۱)

قرآن مجید کی ان آیتوں سے بھی ربا یا سود کی شناعت مکمل طور سے واضح ہو رہی ہے اور رسول اللہؐ نے تو اسے انتہائی سنگین جرم قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن حنظلہؓ (جنکی شہادت کے بعد فرشتوں نے انہیں غسل دیا تھا) سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جانتے بوجھتے ربا ایک درہم بھی لینا ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ (رواہ احمد)

چوری اور ڈاکہ زنی

مال حاصل کرنے کے سستے ذرائع میں سے ایک ذریعہ چوری یا ڈاکہ زنی بھی ہے، دوسروں کی گاڑھی کمائی کو پل بھر میں چپکے یا سینہ زوری سے اڑا لینا بھی حرام اور ناجائز ہے یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ جس میں لگ جاتی ہے وہ ایک تو کام کرنے کی کوشش نہیں کرتا، دوسرے جرأت کا بے جا مظاہرہ کرتا ہے، تیسرے دوسروں کے سکھ چین کو غارت کرتا اور اسے سخت اذیت میں مبتلا کرتا ہے، چوتھے بے محنت کی اس کمائی کا بے دریغ ناجائز استعمال کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ اسے ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اس پر سخت سزا تجویز فرمائی ہے، فرمایا:

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کئے کی پاداش میں اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور

پر۔(المائدۃ:۳۸)

ناپ تول میں کمی بیشی

حصول دولت کے لئے معروف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ناپ تول میں کمی بیشی بھی رہا ہے، ناپ تول میں کمی بیشی کو بھی ایک فن سمجھا جاتا ہے اور اسے ذہانت اور ہوشیاری سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ڈنڈی ماری ہر چند کہ زندگی کے تمام شعبوں میں نظر آتی ہے اور جو لوگ اس فن میں مہارت رکھتے ہیں، انہیں چالاک اور سیاستداں باور کیا جاتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فن کے ماہر نہ اپنی حقیقت سے واقف ہیں اور نہ سماج کی حیثیت سے ایسے لوگ ہمیشہ دوزبانیں استعمال کرتے ہیں، دورویہ اپناتے ہیں اور دُہرے معیار کو اپنی زندگی کا لازمہ تصور کرتے ہیں، وہ اپنے اور دوسروں کے ساتھ معاملات میں بھی دو پیمانہ رکھتے ہیں اور لین دین میں بھی دو پیمانہ رکھتے ہیں، اپنوں کا معاملہ ہوتا ہے تو انہیں جائز و ناجائز ہر طرح سے فائدہ پہنچاتے ہیں اور دوسروں کا معاملہ ہوتا ہے تو ناجائز انکو نقصان پہنچاتے اور بے دریغ ان کا استحصال کرتے ہیں، اسی طرح جب لیتے ہیں تو دوسرے باٹ اور پیمانے استعمال کرتے ہیں ایسے لوگوں پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔(الانعام:۳۵)

ایک اور جگہ تو غیرت دلاتے ہوئے اللہ تعالی نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ

تم نہیں دیکھتے کہ میں خود پورا پورا ناپتا ہوں۔(یوسف:۵۹)

امانت میں خیانت

امانت ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے اور ایک بڑا اعزاز بھی، اس میں شک نہیں کہ کسی شخص کی کسی چیز کو اپنے پاس رکھنا اور اس کی حفاظت کے لئے انتہائی کوشش کرنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے لیکن اس میں بھی شبہہ نہیں کہ لوگ اپنی امانتیں انہی کے پاس رکھتے ہیں جنہیں اس کا اہل سمجھتے ہیں، گویا انہیں دوسروں پر فائق اور ان سے ممتاز مانتے ہیں، سماج کا اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے کہ لوگ اعتماد کریں، اعتماد انسان کا ایک ایسا وصف امتیازی ہے کہ وہ اسی بنیاد پر حکومت و اقتدار بھی پاتا ہے اور دوسروں کی طرف سے تحفظ و محبت بھی اور جن اوصاف کی وجہ سے وہ جانوروں سے ممتاز قرار پاتا ہے ان میں سے ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر امانت میں خیانت کرنے والے پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔قرآن کہتا ہے:

پس اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے اسے کوئی امانت سونپے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے اپنی امانت ادا کرنی چاہئے اور اپنے رب کے غضب سے ڈرنا چاہئے۔(البقرۃ:۲۸۳)

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا:

اور جو کوئی عوام کے مال میں خیانت کرے وہ اپنے خیانت کئے ہوئے مالک کے ساتھ قیامت کے روز حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔(آل عمران:۱۶۱)

اور ایک جگہ تو اللہ تعالی نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ:

بے شک اللہ تعالی تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے سپرد کر دو جن کی وہ ہیں۔(النساء:۵۸)

دوسروں کی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ

دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالی کا ہے اس نے ہی انسانوں کو زمینی اشیاء پر تصرف کی آزادی دے دی ہے لیکن اس تصرف کے کچھ ضابطے اور اصول بتائے ہیں، ان ضابطوں اور اصولوں کو برتتے ہوئے لوگوں کو مال کمانے اور ان پر اپنا قبضہ رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن چونکہ انسانوں کی صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اور ان کا ذوق و مزاج بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے، اس لئے لوگ اپنے اپنے ذوق و مزاج اور صلاحیت کے اعتبار سے کام کا انتخاب کرتے اور اپنے لئے کمائی کرتے ہیں۔اور ہر ایک کی صلاحیت اور محنت کی کمائی بالعوض ایک دوسرے کے کام آتی ہے اور اسی سے سماج کے تمام افراد کی ضرورتیں

پوری ہوتی ہیں اس لئے ہر ایک کی کمائی اس کا مال اور اس کا حق ہے۔ کسی شخص کو بھی کسی دوسرے کی کمائی پر ناجائز یا غاصبانہ قبضہ کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ الا آں کہ یہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (النساء :۲۹)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا: آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ تم جھوٹا دعوی کر کے اسے حکام کے سامنے پیش کروتا کہ سب کچھ جانتے بوجھتے لوگوں کے مال ہڑپ کر جاؤ۔ (البقرہ: ۱۸۸)

کمزوروں کے مال میں بے جا تصرف

حصول دولت کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ سماج کے جو کمزور طبقات ہیں ان پر بے جا معاشی دباؤ ڈال کر ان کے کاموں میں ناجائز تصرف کیا جائے اور اپنی معاشی پوزیشن مضبوط سے مضبوط تر کی جائے۔ کمزوروں کا دائرہ یوں تو زیادہ وسیع ہے لیکن عام طور پر جن کمزوروں کے مال میں بے جا تصرف ہوتا ہے وہ تین ہیں، یتیم، عورتیں اور قرض دار۔

ایک بچہ جب یتیم ہو جاتا ہے تو بعض لوگ اس کے کسی مضبوط سر پرست کے نہ ہونے کی وجہ سے زبردستی اس کے مال پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس کی بیوہ ماں محض احتجاج کر کے خاموش ہو جاتی ہے اور بعض اس یتیم کے ساتھ ہمدردی جتا کر اس کے مال کو پہلے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں اور پھر اس میں بے جا تصرف کر کے اسے کنگال بنا دیتے ہیں، کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو یتیم کی کفالت کی ذمہ داری ہمدردانہ طور سے اٹھا لیتے ہیں اور طویل کفالت کا ایسا حق وصول کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ اس کی جائداد ختم ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ غلامی پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ ہمارے سماج میں ان صورتوں کی بے شمار مثالیں موجود ہیں حالانکہ اللہ تعالی نے جہاں یتیموں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانے پر بڑا زور دیا ہے وہیں یہ بھی فرمایا کہ:

اور تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو مگر اس طریقے سے جو زیادہ اچھا ہو۔ (الاسراء:۳۴)

ایک دوسری جگہ فرمایا: اور تم یتیموں کو ان کے مال دے دو اور اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے نہ بدلو۔ (النساء:۲)

اور بعض مقامات پر تو یتیموں کے مال میں بے جا تصرف پر سخت وعید فرمائی ہے، فرمایا: بے شک جو لوگ یتیموں کا مال زبردستی ہڑپ کر رہے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔ (النساء:۱۰)

سماج کا ایک اور کمزور طبقہ خواتین ہیں خواتین کی جائداد میں بھی بے جا تصرف کی کئی شکلیں ہیں، لیکن دو شکلیں بہت عام ہیں

۱۔ جائداد میں ان کا حصہ بنتا ہے عام طور پر وہ نہیں دیا جاتا۔

۲۔ مطلقہ عورتوں کی مجبوری اور ان کی کمزور پوزیشن کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے ان مالوں کو بھی واپس لے لیا جاتا ہے جو خوشگواری کے ایام میں انہیں دئے گئے تھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں بہت صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ جس طرح جائیداد میں مردوں کا حصہ بنتا ہے اسی طرح عورتوں کا حصہ بھی بنتا ہے۔ ارشاد ہے: مردوں کا بھی حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے ترکے میں اور عورتوں کا بھی حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے ترکے میں، کم ہو یا زیادہ مگر ہے ایک متعین حصہ۔ (النساء : ۷)

اسی طرح قرآن نے اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ خوشگواری کے ایام میں دئے گئے مال ناچاقی اور علاحدگی کی صورت میں واپس نہ لئے جائیں۔ فرمایا: اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم بیوہ عورتوں کو زبردستی اپنی میراث بنالو اور نہ یہ جائز ہے کہ انہیں تنگ کروتا کہ ان کا وہ مال ہتھیا لو جو تم انہیں دے چکے ہو۔ (النساء:۱۹)

اسی طرح قرض دار بھی سماج کا ایک کمزور حصہ ہیں، عام طور پر مقروض وہی ہوتے ہیں جن کے سامنے معاشی مسائل ہوتے ہیں، جن

لوگوں کے اندر اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مال سے اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ سکیں عموماوہی قرض لیتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کمزور طبقہ کوسہارا دے کر اسے اس لائق بنایا جائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ پہلے اس کی ضرورت پر اسے قرض دیا جاتا ہے اور پھر سود در سود کے بوجھ سے اس کی رہی سہی پونجی بھی اہل ثروت کے ہاتھ چلی جاتی ہے حالانکہ قرآن مجید نے تو یہ حکم دیا ہے کہ: اور اگر مقروض تنگ دست ہوتو فراخی تک اسے مہلت دو اور بخش دو (البقرۃ:۲۸)

یہاں تک تو گفتگو اس پر ہوئی کہ حصول دولت کے ناجائز طریقے کیا ہیں جن سے پھر یہیں سے یہ بھی متعین ہوجاتا ہے کہ حصول دولت کے جائز طریقے کون کون سے ہیں، ناجائز حصول دولت کے جن طریقوں کی قرآن مجید کی روشنی میں نشاندہی کی گئی ہے ان سے کمائی کی بعض شکلوں کے ناجائز ہونے کی علتوں کا بھی پتہ چلتا ہے، اس لئے جس کمائی میں یہ عیش اور شناعتیں نہ ہوں وہ ظاہر ہے کہ وہ جائز ہے۔

دولت کا استعمال

جس طرح حصول دولت کے جائز اور ناجائز طریقے ہوسکتے ہیں، اسی طرح اس دولت کے بھی جائز اور ناجائز دونوں طریقے ہوں گے، لیکن جس طرح قرآن نے محض جائز حصول دولت ہی کی اجازت دی ہے، اسی طرح استعمال دولت کے بھی جائز طریقوں کی ہی اجازت دی ہے، ناجائز استعمال کی اجازت نہیں دی ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جائز کمائی کی تفصیلات بیان کرنے کے بجائے ناجائز کمائی کی وضاحت پر اصل توجہ مرکوز فرمائی ہے تاکہ ناجائز کمائی کے ان محدود طریقوں کے علاوہ حصول دولت کے سارے راستے کھلے رہیں اس کے مقابلے میں ناجائز استعمال دولت کے طریقوں پر زیادہ زور صرف نہیں کیا ہے بلکہ جائز استعمال دولت کی شکلوں کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس ترتیب بیان کا اصلی مقصود یہ ہے کہ کمائی کے ہزار جائز راستے نکل سکیں اور ناجائز خرچ کی راہیں مسدود ہوسکیں اور لوگوں کی دنیوی اور اخروی دونوں کامرانیوں کی راہیں کھلی رہیں، بیان کی اس ترتیب کے بغیر معاشی استحکام کا واضح تصور ممکن نہیں۔ اللہ تعالی ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس پر ایمان لانے والے معاشی طور سے مستحکم نہ رہیں اور مفلس نظر آئیں۔ حاشا وکلا وہ صبر وتوکل کی تلقین تو کرتا ہے لیکن معاشی افلاس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا ہے۔ دین داری کا وہ تصور ناقابل فہم ہے جس سے افلاس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

استعمال دولت کی پانچ معروف شکلیں ہیں۔

۱۔ اپنی ذات پر　۲۔ قرابت مندوں پر　۳۔ کفارے کی صورت میں　۴۔ صدقات میں　۵۔ زکوۃ میں۔

اپنی ذات پر

آدمی جو دولت کماتا ہے اسے اپنی ذات پر بے تکلف صرف کرسکتا ہے، اس کی کمائی کا اولین مصرف خود اس کی اپنی ذات ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے اسکو اس کی کمائی میں سے کچھ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم اس وقت تک نہیں دیتا جب تک اس کی واجبی ضروریات پوری نہ ہوجائیں، اسی حکمت کے تحت زکوۃ کا نصاب مقرر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی کمائی کو اپنی ذات پر صرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ فرمایا گیا: اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور پیو (البقرۃ:۶۰)

اے ایمان لانے والو جو پاکیزہ رزق ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے کھاؤ۔ (البقرہ۱۷۲)

وہی ہے جس نے سمندر کو تمہاری نفع رسانی میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ زیور نکالو جو تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس میں چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس میں سفر کرو اور اس کے فضل کے طالب بنو۔ (النحل:۱۴)

یہ اور اس طرح کی متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت دنیا جائز حدوں میں اپنی ذات کے لئے بے تکلف استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے مکمل اجازت ہے تو لوگوں نے اللہ کے رسولؐ

سے پوچھنا شروع کر دیا کہ صدقہ میں کیا دیں؟ تو اللہ تعالی نے فرمایا: اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ کہہ دو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔ (البقرۃ:۲۱۹)

زائد از ضرورت اشیاء کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے غریب، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں، محروموں کی کفالت ہوتی ہے اور غلاموں کو قید غلامی سے چھٹکارا پانے کا موقع ملتا ہے، یہ انفاق تو ہماری منصبی ذمہ داری ہے لیکن اپنی ضرورت کی اشیاء کو بھی راہ خدا میں خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ انفاق اللہ کی رحمت کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہوگا اور اس عمل سے سماج میں وہ نیکی پروان چڑھے گی جو سماج کو برکتوں سے بھر دے گی۔

قرآن کہتا ہے: نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی جانب کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر اور خود ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں اور قیدیوں کو اس کے قید سے چھٹکارہ دلانے پر خرچ کرے۔ (البقرہ:۱۷۷)

زکوۃ

ایک مومن کی کمائی کا سب سے اہم مصرف زکوۃ ہے، یہ ایک ایسا مصرف ہے جو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو صاحب نصاب یا مالدار کہے جاتے ہیں، دولت کا یہ استعمال دولت مند پر فرض ہے اور اسلام کی نظر میں دولت مند وہ ہے جس کے پاس تقریبا ۶ر کوئنٹل غلہ، ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو ایسے مالدار کو اگر اس نے غلہ، پانی کھاد لگا کر پیدا کیا ہے تو اپنے غلہ میں سے بیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ہے ورنہ دسواں حصہ اور سونا و چاندی یا سامان تجارت میں چالیسواں حصہ دینا ہے۔ یہ مالدار کے مال کا لازمی استعمال ہے، اس میں وہ اپنی طرف سے کوئی تخفیف نہیں کرسکتا کیونکہ یہ فریضہ اس ذات کی طرف سے عائد ہوا ہے جس نے اسے مالدار بنایا ہے۔

اصولاً تو اس کا نظم اجتماعی ہونا چاہئے۔ اگر حکومت اسلامی ہے تو باقاعدہ اسکے پاس زکوۃ کی ایک وزارت ہونی چاہئے اور اگر حکومت اسلامی نہیں ہے تو مسلمانوں کو ایک اسلامی بیت المال قائم کرنا چاہئے تا کہ اس کا استعمال صحیح ڈھنگ سے اور صحیح مصرف میں ہو سکے، اگر یہ نظم قائم ہو جائے اور تمام مسلمان اس نظم سے وابستہ ہو جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ سماج میں زکوۃ کی کیا کیا برکتیں رونما ہوتی ہیں، لیکن اگر بد قسمتی سے یہ نظام باقاعدہ طور سے قائم نہیں ہو پاتا جیسا کہ آج کل ہے تب بھی مسلمانوں کو اپنی زکوۃ باقاعدگی سے نکالنی چاہئے اور زکوۃ کے جو مصارف ہیں پوری دیانتداری کے ساتھ ان میں خرچ کرنا چاہئے۔

مصارف زکوۃ از روئے قرآن آٹھ ہیں

۱۔ فقراء ۲۔ مساکین ۳۔ نظام زکوۃ سے وابستہ افراد ۴۔ جن کی تالیف قلب مقصود ہو ۵۔ جنھیں قید غلامی سے آزاد کرانا ہو ۶۔ قرضدار ۷۔ اللہ کی راہ میں ۸۔ مسافر

زکوۃ تو دراصل فقراء مساکین کے لئے ہے اور نظام زکوۃ سے وابستہ افراد کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلب مقصود ہو اور ان لوگوں کو جنھیں قید غلامی سے آزاد کرانا ہو اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے (التوبہ: ۶۰)

استعمال دولت کی اگر ان پانچ شکلوں کو سامنے رکھا جائے اور اپنی دولت انہیں میں صرف کی جائے تو نہ کوئی دولت مند قارون بن پائے گا اور نہ کوئی معذور فاقہ کرے گا کیونکہ دولت تمام افراد قوم میں گردش کرتی رہے گی۔ دولت مند پھر بھی دولت مند رہیں گے، لیکن سماج کے غریب اور مفلس لوگ ہمیشہ غربت و افلاس کی چکی میں پستے نہیں رہیں گے بلکہ ان مالی امداد سے ان کے معیار زندگی میں بہتری پیدا ہوگی اور پورا سماج ان برائیوں سے پاک رہے گا جو دولت کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔

یہ ہے قرآن مجید کا بنیادی تصور معاش، مسلمانوں کو قرآن کے اس بنیادی تصور معاش کی کسوٹی پر رکھ کر اپنے تمام کاروبار اور مصارف کا جائزہ لینا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

چند حساس سماجی مسائل

مفتی محمد ارشد فاروقی

اسلامی معاشرے کے حسین تاج محل کی بنیاد اسلامی عقائد ہیں اسلام کے ماننے والوں کے دل و دماغ میں جب ایمان وعرفان اور عقائد رچ بسے جاں گزیں ہوتے ہیں تو اعضاء جوارح اور انسانیت کی کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، دل و دماغ میں عقائد کے طلوع ہونے والے آفتاب و ماہتاب کی روشنی، بکھری شعائیں جسم و جثہ کو منور کرتی ہوئی گردونواح کی تاریکی کا ازالہ کرتی، ظلمات کا خاتمہ کرتی، جہالت و جاہلیت کی جگہ علم وعرفان کے چراغ روشن کرتی چلی جاتی ہیں:''یخرج من الظلمات الی النور'' کی قرآنی تعبیر صادق آتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اور کاتم الانبیاء کی اولین دعوت اصلاح عقائد توحید رسالت آخرت کی دعوت ہے محمد عربی فداہ ابی وامیؐ نے ۱۳ سالہ مکی دور میں اپنی الٰہی دعوت عقائد کے محور تک زیادہ تر محدود رکھا۔ عقائد حقہ ایسا مشروب ہے جسے پلا دیا جائے یا جو پی لیتا ہے اس کے اندر سر سے لے کر پیر تک ایسی توانائی کی لہر دوڑ جاتی ہے کہ وہ سراپا طاعت وفرمانبرداری بن جاتا ہے مہر ووفا بن جاتا ہے عہد و پیمان کا پابند غلامی کی بیڑی اپنے پاؤں میں ڈال لیتا ہے، فخر سے بول اٹھتا ہے''اننی من المسلمین''۔

اس حقیقت کا تقاضا ہے کہ داعیان اسلام مصلحین امت اور میدان اصلاح میں سرگرم کارکنان اسلامی تعلیمات کی جسم وقالب پر تنفیذ کا مطالبہ کرنے سے پہلے قلب و دماغ کو مخاطب کریں فکر وخیال بدلیں، روح کی بالیدگی کا نظم کریں کہ قلب کی طرف قالب کھینچے روح کے تابع جسم ہو۔

جب محسن انسانیت نے مکہ مکرمہ کے دیومالائی بت پرست لات وعزی اور ہبل کے اردگرد گھومتے عباداتی نظام کے خلاف آواز بلند کی اور توحید کی صدا لگائی تو ہلچل مچ گئی لوگ آپ پر پل پڑے ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اگر اس کاروائی کا نام کوئی فساد اور خلاف مصلحت رکھتا ہے تو ایمان کی خیر منائے۔

کفر وشرک کی دنیا کو بدلنے کے لئے نبوت کا نظام برپا کیا گیا نبوی نظام محمد عربیؐ کا پیام ملت اسلامیہ کو آواز دے رہا ہے کہ سب سے پہلے ملت ان بتوں کو پاش پاش کرے جو ملت اور دین پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہیں وہ ہوی، خواہشات بے معنی مصلحت کے دیوقامت بت ہیں جو سلیقے سے تراشے، رکھے گئے ہیں''افمن اتبع هواه افمن اتخذ الهه هواه'':

آستینوں کے بت ڈھانے کے بعد ہندوستان میں پھیلی ہوئی بت پرستی کے خلاف صف آراء ہوجائیں بت پرستی کے زہر ہلاہل اس کی مضرت اس کے فساد سے سادھوؤں، پنڈتوں مندروں کے پجاریوں ہندو تنظیموں کے رہنماؤں اور عوام کو آگاہ کرائیں انہیں توحید کی اللہ تعالی کی عبادت کی دعوت دیں''فاصدع بما تؤمر'':

معاشرے وسماج کے مسائل کے حل کا فطری طریقہ اور منطقی ترتیب انبیاء کی دعوت میں یہی ملتی ہے جس کی دعوت ہر دور کے رہنماؤں و مصلحین کو دی گئی ہے۔

ہندوستان کا معاشرہ مختلف مذاہب رنگارنگ تہذیبوں، گناگوں رواجوں سے تشکیل پایا ہے، مشرقیت کے آنچل میں جہاں اس کا چہرہ ڈھکتا چھپتا دکھائی دیتا ہے وہیں مغربیت کے آنگن میں رقصاں وعریاں نظر آتا ہے تو کہیں دونوں کے درمیان جھوجھتا کراہتا سنائی دیتا ہے۔

مسلم سماج بھی ہندوستانی سماج کا ایک حصہ ہے اس لئے اس کے اوپر ہندو سماج کے اثرات پڑے ہیں جنہیں عقیدے کی شفافیت ہی پاکیزگی عطا کرسکتی ہے، ان حساس سماجی مسائل میں سے چند کا تذکرہ

کیا جاتا ہے:

۱-نکاح:

بنی نوع انسانی کی بقاء کے لئے مذہب اسلام صرف نکاح کا پاکیزہ رشتہ تجویز کرتا ہے اور انسانی زندگی میاں بیوی کے دو پہیوں کی گاڑی پر چلتی دوڑتی، ہنستی کھیلتی دنیا کو لالہ زار بناتی ہے جس کے لئے دونوں پہیوں کا ایک دوسرے کے ہم پلہ ومساوی اور ہم آہنگ ہونا قرین قیاس اور موزوں ہے اسی ہم آہنگی کو کفاءت سے شریعت اور مسلم پرسنل لا تعبیر کرتا ہے۔

۲-حق ولایت:

اصل قانونی حق تو یہ ہے کہ عاقل بالغ مرد وعورت کو خود اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے لیکن کبھی اس تقریب کو انجام دینے کا حق ان کے رشتہ داروں کو حاصل ہوتا ہے ایسے رشتہ دار اولیاء کہلاتے ہیں اور اسے حق ولایت کہا جاتا ہے۔

شریعت اسلامی میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے: کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا۔ جس کی دو صورتیں ہیں: ۱-ولایت اجبار، ۲-ولایت استحباب۔

ولایت اجبار: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو، **ولایت استحباب:** ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

شرعاً ولی کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں: دماغی توازن کا درست ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وراثت کا استحقاق ہونا، مسلمان ہونا، اولیاء کی ترتیب عصبات میں وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

ہر عاقل و بالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت، خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے اور اس سلسلے میں لڑکی ولڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفاءت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو اولیاء کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کر دیا ہو وہ نکاح لازم ہے، الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بدتدبیری کے ساتھ کر دیا ہے یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بہ وقت بلوغ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بہ وقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے اس کو نکاح کا علم ہو چکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو، بہ صورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک یا مسئلہ کا علم ہونے تک باقی رہے گا۔

شوہر دیدہ یعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحتاً ہو یا قرائن کے ذریعہ، اسی طرح یہ حق واختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ یا نکاح کا علم نہ ہو۔

ایک سے زائد یکساں درجہ کے اولیاء موجود ہوں تو جو ولی پہلے نکاح کر دے اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبتاً دور کا ولی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر دے تو قریب تر کی اجازت پر موقوف ہوگا، البتہ اگر قریب تر ولی کی رائے سے بروقت واقف ہونا ممکن نہ ہو اور تاخیر میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دور کے ولی کا کرایا ہوا نکاح درست ہے۔

۳-جبر واکراہ:

شریعت نے لڑکے ولڑکی کو نکاح کے اختیارات وحقوق دیئے ہیں اس باب میں جبر واکراہ سے گریز ضروری ہے۔

لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہو جائے تو شریعت نے انہیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلے میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے، یہ آزادی شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے بلکہ آج مغرب و

مشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ ان ہی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکی یا لڑکے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کئے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، لہٰذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینا اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

اگر قاضی شرعی اور قضاء کے کام کرنے والے اداروں و ذمہ داروں کے سامنے یہ بات بہ تحقیق ثابت ہو جائے کہ اولیاء نے بالغہ لڑکی کے نکاح کے سلسلہ میں جبر و زبردستی سے کام لیا ہے اور اس کو مجبور کرکے بہ وقت نکاح ہاں کرالیا ہے، اور لڑکی رشتہ ہو جانے کے بعد اس رشتہ کو باقی و برقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور فسخ کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر نہ بطور خود اسے جدا کرتا ہے اور نہ خلع و طلاق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

۴-مہر کی بے اعتدالیاں:

ہندوستانی مسلم معاشرے میں ''مہر'' کا ذکر نکاح خوانی کے وقت ضرور ہوتا ہے لیکن ادائیگی کی نوبت بہ رضا و رغبت بہت کم آتی ہے جب تعلقات میاں بیوی کے خراب ہوتے ہیں اور جدائی وطلاق کی بات آتی ہے تو مہر کی ادائیگی کا مسئلہ اٹھتا ہے جبکہ مہر دو اجنبی دلوں کے ملنے کا عظیم تحفہ قدر و منزلت کے اعتراف کا ثمرہ ہے جس کی ادائیگی نکاح کے وقت اولین فرصت میں ہونی چاہئے مہر کی اہمیت کا اندازہ شریعت کے دیئے ہوئے اس حق سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہونے والی دلہن اپنی خوابگاہ میں دولہے میاں کو مہر کی پیشی کے بغیر داخل ہونے سے روک سکتی ہے، اس لئے مہر کی بے اعتدالیوں کا ازالہ ضروری ہے۔

☆ نکاح کے وقت مہر کی ادائیگی پر لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔

☆ مہر کی تعیین سونے اور چاندی کے ذریعہ عمل میں آئے تاکہ خواتین کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔

☆ نکاح کے وقت مہر کی تعیین اگر رائج سکے کے ذریعہ ہوئی اور مہر کی ادائیگی لمبے عرصے بعد ہو تو نکاح کے وقت مہر کے سکے کی جو کرنسی بازار میں قوت خرید تھی اس کے بقدر ادائیگی کے وقت سکے دلائے جائیں تاکہ گرتی سکے کی قیمت کی وجہ سے خاتون کا نقصان نہ ہو، اور ربوی مباحث سے گریز کیا جائے کہ یہ تجویز وحکم حقیقت سے قریب ضرر دور کرنے والا ہے۔

۵-مطالبہ جہیز:

برادران وطن کے سماجی مسائل کے جو اثرات مسلمانوں کی تقریبات میں در آئے ہیں ان میں انتہائی حساس مسئلہ مطالبہ جہیز ہے۔ مسلمانوں کی عائلی زندگی میں لڑکوں کی خرید وفروخت کا مزاج ہو گیا ہے، اور انہیں مال تجارت بنالیا گیا ہے، کبھی لڑکوں کی طرف سے، کبھی ان کے والدین واقرباء کی طرف سے اور کبھی خود لڑکی والوں کی طرف سے نہ صرف یہ کہ قیمت لگائی جاتی ہے بلکہ بھاؤ تاؤ کیا جاتا ہے اور کون زیادہ سے زیادہ دے گا اس کی تلاش کی جاتی ہے، شرعاً نکاح میں لڑکی والوں سے کچھ لینا، وہ چاہے تلک کے نام پر ہو یا گھوڑے وجوڑے کے نام پر ہو، یا مروج قیمتی جہیز کے نام پر ہو جائز نہیں۔ شریعت نے ''**احل لکم ماوراء ذلکم أن تبتغوا باموالکم**'' (قرآن کریم) کے حکم ربانی کے ذریعہ مردوں پر نکاح میں مال خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد کی ہے آج مسلم معاشرے نے اس حقیقت کو بدل ڈالا ہے اور عورتوں کو نکاح کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، کبھی صریح مطالبہ ہوتا ہے اور کبھی عادت اور عرف و رواج کے تحت یہ ہوتا ہے، یہ ساری صورت حال چاہے اس طرح کا مال لینا ہو یا پیشکش کرنا ہو شرعاً جائز و درست نہیں ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ تمام مسلمانان ہند کو اس طرح متوجہ کرے کہ وہ مسلم معاشرے کو ان خطوط پر متوجہ کریں جو محمد رسول اللہؐ نے ان کے لئے تجویز کیا ہے، اور شادیوں کو ہر طرح سادہ رکھیں اور ارشاد نبویؐ ''**اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مونۃ**'' کے مطابق بغیر جبر و دباؤ اور فرمائش ومطالبہ نیز اسراف وتبذیر کے بطریق سنت نبویہ انجام دیں۔

۶-نکاح میں کفاءت کا غلط رجحان:

اسلام نکاح کو استوار اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات

دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تاحیات خوشگوار زندگی گذار سکیں اس لئے نکاح میں کفاءت کی حقیقت مماثلت اور یگانگت ہے، میاں بیوی کے درمیان فکر و خیال، معاشرت، طرز رہائش دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گذرے اور رشتہ نکاح مستحکم ہو، بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں اور اس ناکامی کے برے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہوکر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفاءت کی رعایت کی ہے اس کے باوجود مسلمان عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے کیا گیا عقد نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے، کفاءت لزوم عقد میں مؤثر ہے، صحت و انعقاد نکاح میں نہیں۔ اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا، لیکن اولیاء کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق ہوگا۔

مسئلہ کفاءت میں دینداری کا اعتبار تو ضروری ہے، دیگر امور ایسے ہیں جن کا تعلق عرف و عادت اور سماجی حالات سے ہے، اس لئے پوری دنیا اور تمام ممالک واقوام کے لئے امور کفاءت کی تعیین و تحدید یکساں نہیں ہوسکتی، لہذا ہر ملک و علاقہ کے فقہاء و علماء وہاں کے عرف و عادات اور سماجی احوال کے پیش نظر امور کفاءت کی تحدید و تعیین کریں گے بلا اس کے کہ کفاءت آپس میں عزت و ذلت و شرافت اور ذلالت کے ساتھ جوڑا جائے۔

۷-لڑکی کی پیدائش روکنے کا رجحان:

قرآن ''وذا المؤدۃ سئلت بأی ذنب قتلت'' کا وحشتناک منظر پیش کرتا ہے، زندہ درگور کی گئی بچیوں کے سلسلے کے سوال و جواب نقل کرتا ہے قصور قتل کی تعیین چاہتا ہے، عدالت عالیہ میں پیش مقدمہ کی کارروائی سناتا ہے جاہلیت کے دور کا نقشہ کھینچتا ہے، بچی کے قتل کی داستان سناتا ہے، عرب جاہلی معاشرے میں لڑکی کی پیدائش کی خبر سننے والے کے چہرے کے تاثر سیاہ ہونے کی خبر دیتا ہے، اس جاہلی رسم کی بیخ کنی کرتا ہے، لڑکی کی پرورش تعلیم و تربیت کے لئے شریعت ترغیب دیتی ہے ذہن سازی کرتی ہے عورت کے سر پر تاج عزت رکھتی ہے۔

اس زمانے میں جاہلیت پھر عود کر آئی، بیٹی سے نفرت شروع ہوگئی زندہ درگور کرنے کی شکلیں بدل دی گئیں، اب رحم مادر میں ہی کلیاں مسل دی جارہی ہیں، بیٹیاں ماری جارہی ہیں الٹرا ساؤنڈ جیسی مشینوں کے سنٹر میں جنین کے مؤنث و مذکر ہونے کا پتہ چلایا جاتا ہے جنین کی تعیین لڑکی کی شکل میں ہوتے ہی عمل اسقاط شروع کردیا جاتا ہے اس طرح بہت بڑی تعداد میں اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی انسانی وجود کو مٹادیا جاتا ہے، یہ اخلاقی قانونی اور شرعی جرم ہے اگر حمل ۱۲۰ دن کا ہوچکا ہے پھر اسے ساقط کیا جاتا ہے تو یہ قتل نفس کے مرادف ہے۔

۸-جنین کی تعیین:

اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اس کی تعیین کسی مشین کے ذریعہ یقینی طور پر کرنا ناممکن ہے، ایسے بے شمار واقعات شاہد ہیں کہ جنین کو مادہ سمجھ کر عمل اسقاط شروع کیا گیا تو پتہ چلا کہ جنین مادہ نہیں نرینہ ہے، اس لئے معاشرے میں ایسی جانچ کے تئیں بیداری لانے کی ضرورت ہے۔

۹-مانع حمل تدابیر:

اسلام نکاح کو توالد و تناسل کا ذریعہ بھی قرار دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی ترغیبات اس باب میں بہت واضح ہیں اس لئے عمومی حالات میں زوجین کی طرف سے مانع حمل ہر قسم کی تدابیر اختیار کرنا ممنوع ہے اور خود زوجین کا یہ فیصلہ کہ دو حمل کا دورانیہ وقفہ ہو روح شریعت کے منافی ہے، البتہ مرض کے حالات مستثنیٰ ہیں۔

۷-ناگزیر حالات میں طلاق:

دو اجنبی دلوں کو نکاح اپنائیت کے ریشمی دھاگے میں پروتا ہے دو قالب ایک جان بنادیتا ہے اس کے باوجود کبھی دو مزاج ایک دوسرے سے اس درجہ مختلف ہوتے ہیں کہ نکاح کے ذریعہ اتحاد کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوتی ہے اور بڑھتی ہوئی منافرت الفت کی رمق پر بجلی بن کر گرتی ہے ایسی صورت حال میں انسانی وجود کے خرمن کو تباہی سے بچانے کے لئے زوجین کے رشتہ نکاح کا خاتمہ طلاق کے مغتنم وجود سے کیا جاتا ہے، ناگزیر حالات میں طلاق مشکلات کا حل ثابت ہوتا ہے ناخوش گوار ہونے کے باوجود طلاق

ایک نعمت ہے۔

مصلح طلاق:

ازدواجی تعلقات کے ناہموار حالات کو سدھارنے کے لئے زوجین کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونا اوران ہدایات سے سماج کو واقف کرانا ضروری ہے۔

سہ نکاتی فارمولہ:

جب زوجین اپنے اختلافات اپنے طور پر دور نہ کرسیں نصیحت و موعظت خوابگاہ کی علاحدگی اور تادیبی کارروائی کے سہ نکاتی فارمولے کے آزمانے کے باوجود منزل دور نظر آئے تو دونوں گھرانے کے معتبر ثقہ افراد مصالحتی کوشش کریں،ان تمام اصلاحی اقدامات کے ناکام ہونے کی صورت میں شوہر طہر کی حالت میں ایک طلاق رجعی دے۔

طلاق سکران:

ہندوستان ترقی پذیر ملک ہے اس میں بسنے والے غربت وافلاس کی زندگی گذارنے والوں کی بڑی تعداد ہے، جس کے باعث جہالت کا عفریت اقدار و بلندیوں کو نگلنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے، وہ آبادی جو محلات اور کوٹھیوں آرام دہ فلیٹوں میں نہیں بلکہ ایک کمرے یا جھونپڑی میں زندگی گذار رہی ہے وہ جب دن بھر کے سخت جاں گسل جھمیلوں سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے پھر بے چین ہوتا ہے تو اپنی دانست میں غم غلط کرنے کے لئے شراب کا سہارا لیتا ہے یا بد چلنی شر پسندی مہ نوشی پر آمادہ کرتی ہے پھر وہ نشے میں چور ہوجاتا ہے ہوش کھو بیٹھتا ہے اور طلاق دیتا ہے یہ طلاق طلاق سکران کہلاتی ہے، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ملک کی کئی اہم درسگاہوں میں قائم دارالافتاء کی رپورٹ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کی شرح دو سے تین فیصد تک ہے۔

کسی شخص نے شراب یا کسی نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان بوجھ کر کیا اور اسے شدید ترین نشہ طاری ہوگیا جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اس کی طلاق واقع ہوجائے گی گو کچھ لوگ اس طلاق کے وقوع کے منکر ہیں ۔دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور کے دارالافتاء سے وقوع طلاق کے فتاوے صادر ہوئے ہیں۔

سماج کو نشے،نشہ آور اشیاء کے استعمال سے بچانے کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سرکاری محکمہ انسداد نشیلی اشیاء کے تعاون اور رضا کار تنظیموں کے وفاق سے ملک گیر سطح پر تحریک چلائے۔

۱۵-ترکہ میں خواتین کی حق تلفی:

قرآن نے وراثت کا منصفانہ مبنی بر اعتدال نظام و فلسفہ بیان کیا ہے مرنے والے نے کم وزیادہ جو کچھ مال و جائیداد چھوڑی ہے اس میں مرد کا حق دہرا عورت کا اکہرا ہے، شریعت نے عورت کو محروم نہیں کیا ہے لیکن اس واضح تعلیم کے باوجود عملی طور پر خواتین کو ترکہ سے محروم رکھا جاتا ہے، یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے اور مردوں کی طرف سے خواتین کے حق پر غاصبانہ قبضہ ہے، اس لئے خواتین کے حقوق کی پاسداری انتہائی ضروری ہے۔

اسی کے ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ صوبہ اترپردیش میں ابھی تک خواتین کے ساتھ وراثت کے معاملے میں بے انصافی اور ظلم جاری ہے، یوپی کے موجودہ قانون کے مطابق خواتین کو زراعتی اراضی میں مرد وارثان کی موجودگی میں وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا ہے، یہ قانون ہندوستان کے آئین اور شریعت اسلامیہ سے متصادم ہے۔

واضح رہے کہ یوپی زمینداری ایکٹ اور شریعت ایکٹ میں فورا ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ خواتین کو عام طور سے اور مسلم خواتین کو خاص طور سے ان کے حق وراثت سے محروم نہ کیا جاسکے۔

عدلیہ ومقنّنہ کے قوانین وراثت کتنے ہی مکمل ہوں شریعت کے نظام وراثت کے مقابلے میں ہیچ اس لئے مسلمانان ہند قرآن وحدیث سے تشکیل پائے قوانین وراثت کی تنفیذ کا کام اولین فرصت میں شروع کردیں قرآن کے پیغام کو دل کے کان سے سنیں ترکہ سے خواتین کو محروم نہ رکھیں۔

مذکورہ بالا حساس سماجی مسائل کا حل ڈھونڈنا شرعی سانچے میں ڈھالنا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مسئولیت وذمہ داری ہے۔واللہ من وراء القصد۔

نظام قضاء کا قیام اور ہندوستان

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(رکن اساسی و عاملہ بورڈ حیدرآباد)

اسلام میں عہدۂ قضاء کی اہمیت

(۱) نظام قضاء اور قاضی کے مقرر کئے جانے کا مقصد مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو طے کرنا اور نزاعات کو دور کرنا ہے، اسی لئے اس بات پر اتفاق ہے کہ نظام قضاء قائم کرنا فرض ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قاضی مقرر کرنا فرض ہے، یہ مسلمانوں کے لئے نہایت اہم اور تاکیدی امور میں سے ہے اور ان پر واجب ہے۔ فقہ حنفی کے بہت ہی مستند امام علامہ سرخسیؒ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

اچھی طرح سمجھ لو حق کے ساتھ فیصلہ کرنا اللہ پر ایمان لانے کے بعد جملہ فرائض سے اہم فریضہ ہے اور ساری عبادتوں سے اشرف عبادت ہے۔ (المبسوط للسرخسی:۱۵/۵۹، کتاب أدب القاضی)

اسی طرح قاضی علاء الدین طرابلسیؒ کا بیان ہے:

امت میں اس بارے میں کوئی خلاف نہیں ہے کہ نظام قضاء کا قیام واجب ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے نماز فرض ہے، روزہ وزکوۃ فرض ہے، اسی طرح نظام قضاء قائم کرنا اور قاضی مقرر کرنا بھی ضروری ہے۔ (معین الحکام: صفحہ ۷، الباب الأول فی بیان حقیقۃ القضاء، معناہ وحکمہ وحکمتہ، ط: مصطفیٰ البانی مصر ۱۳۹۳ھ)

مسلمان ملک میں قاضی مقرر کرنے کا طریقہ

(۲) قاضی مقرر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مسلمان ملک ہو تو حکومت قاضی کا تقرر کرے، مشہور فقیہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قاضی مقرر کرنے کا حق خلیفہ یعنی مسلمان ملک کے حکمراں کو ہے، یا اس شخص کو جسے خلیفہ نے مقرر کیا ہے اور اسے سرکاری اختیارات استعمال کرنے کی آزادی ہے۔ (کتاب القضاء جلد ۸ ص ۲۵)

اسی طرح علامہ ابن فرحون مالکی، جن کی کتاب اسلام کے نظام قضاء پر نہایت اہم کتاب تصور کی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

نظام قضاء دو طریقوں میں سے ایک طریقے سے منعقد ہوتا ہے، پہلا طریقہ یہ ہے کہ امیرالمومنین یا ان کے مقرر کئے ہوئے سرکاری عہدیداروں۔ جن کو قاضی مقرر کرنے کا حق دیا گیا ہو۔ کی طرف سے قاضی مقرر کیا جائے..... (تبصرۃ الحکام: ص ۱۵/۱۶)

غیر مسلم اکثریت میں حکومت کی طرف سے

(۳) غیر مسلم ممالک میں اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو قاضی مقرر کردے، یا امیر مقرر کرے جسے قاضی مقرر کرنے کا اختیار ہو، تو اس قاضی یا امیر سے مسلمان اپنے باہمی نزاعات میں رجوع کریں گے:

ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہو، وہاں جمعہ اور عیدین قائم کرنا، .... قاضی کی تقرری اور بیواؤں کا نکاح جائز ہے۔ (جامع الفصولین: جلد صفحہ ۱۴)

اسی لئے ہندوستان میں مسلمان برطانوی عہد میں بھی حکومت کی طرف سے امیر اور قاضی کے تقرر کا مطالبہ کرتے رہے ہیں، چنانچہ 'کاظمی بل' اسی سلسلے میں پیش کیا گیا تھا اور آزادی کے بعد بھی جمعیۃ علماء ہند (جس نے تحریک آزادی میں کانگریس پارٹی کے ساتھ اہم رول ادا کیا تھا) اور دوسری مسلم تنظیمیں اور جماعتیں اس کا مطالبہ کرتی رہی ہیں۔

مسلمانوں کا اپنے طور پر قاضی مقرر کرنا

(۴) اگر غیر مسلم حکومت ہو اور حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے امیر اور قاضی کا تقرر نہ ہو تو اب مسلمانوں کے لئے دو صورتیں ہیں، یا تو وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں، وہ خود ان کے معاملات کے فیصلے کرے یا اپنی طرف سے قاضی مقرر کرے اور اگر مسلمان کسی کو اپنا ذمہ دار منتخب نہ کرسکیں تو براہ راست قاضی ہی مقرر کرلیں، عام مسلمانوں کی رضامندی کی وجہ سے وہ شرعاً قاضی سمجھا جائے گا اور مسلمانوں کے نزاعات کے فیصلے کرے گا، اس بات کی اہل سنت والجماعت کے چاروں دبستانوں میں صراحت ملتی ہے۔

فقہ مالکی

چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اس سوال پر کہ جہاں مسلمان غیر مسلم حکومت کے تحت ہیں اور حکومت کی جانب سے قاضی مقرر نہ ہوں کیا مسلمانوں کو اپنے طور پر قاضی مقرر کرنا چاہئے؟ شیخ عبداللہ فوقی مالکیؒ فرماتے ہیں:

جب لوگوں کو اس کی ضرورت ہو تو ایسا کرنے سے کوئی مانع موجود نہیں، جیسا کہ علماء مالکیہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ:۱۶۱)

فقہ شافعی

فقہاء شوافع میں علامہ ابوالحسن اصبحیؒ کا فتویٰ اس طرح ہے:

(سوال کیا گیا) کہ جب ملک کے کسی نواح میں حاکم نہ رہے اور عورت کے لئے ولی نہ ہو اور بچوں کے لئے وصی نہ ہو تو کیا شہر کے لوگوں میں سے کسی جماعت کو یہ اختیار ہے کہ قاضی مقرر کرے، جو لوگوں کے ناموس اور اموال کے احکام انجام دے، تو علامہ اصبحیؒ نے جواب دیا کہ ہاں، جب کوئی امیر نہ رہے جو ان شرعی امور کا مرجع و مرکز نہ ہو، تو اہل حل و عقد میں سے تین شخص جمع ہو کر قاضی مقرر کرلیں۔ (الفتاویٰ الکبری لابن حجر المکی الھیثمی:۳۲۶/۳)

فقہ حنبلی

مشہور حنبلی فقیہ ابویعلی محمد بن حسین فراءؒ (متوفی:۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

اگر کوئی شہر قاضی سے خالی ہوگیا اور وہاں کے لوگوں نے مجتمع ہو کر اپنے لئے کوئی قاضی مقرر کرلیا تو دیکھا جائے گا کہ امام موجود ہے یا نہیں، اگر امام موجود ہو تو ان لوگوں کا قاضی مقرر کرنا باطل ہے، اور اگر امام مفقود ہے تو قاضی مقرر کرنا صحیح ہے اور اس قاضی کے فیصلے ان لوگوں پر نافذ ہوں گے، اگر اس شخص کے قاضی مقرر ہونے کے بعد کوئی شخص منصب امامت پر متمکن ہوا تو اس نئے امام کی اجازت کے بغیر یہ قاضی منصب قضاء پر برقرار نہیں رہ سکتا، لیکن اس سے پہلے وہ قاضی جو فیصلے کر چکا ہے وہ نہیں توڑے جائیں گے۔ (الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلی محمد بن حسین الفراء:۷۳)

فقہ حنفی کی صراحتیں

فقہاء حنفیہ کے یہاں خاص طور پر اس پر بہت زور دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ محمود بن اسرائیلؒ (متوفی: ۸۲۳ھ) قضاء وغیرہ سے متعلق اپنی معروف کتاب ''جامع الفصولین'' میں رقم طراز ہیں:

اور جن شہروں میں کافر والی ہوں وہاں کے مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز ہے، اور (ایسی جگہ) مسلمانوں کا قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے ہوگا، اور مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ مسلمان والی کی جستجو کریں۔ (جامع الفصولین:۱۴/۱، ط: کراچی)

اسی عہد کے ایک اور فقیہ علامہ ابن بزاز کردریؒ (متوفی: ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں:

وہ شہر جن پر کفار کا تسلط ہو، اور وہ ان کے والی ہوں، وہاں جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے، اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی عہدۂ قضاء سنبھال سکتا ہے اور ایسے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کسی مسلمان کو اپنا والی (امیر) بنانے کی جدو جہد کریں۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ، کتاب السیر، الفصل الثالث فی الحضر والاباحۃ:۳۱۱/۶)

علامہ کمال الدین ابن الھمامؒ (متوفی ۸۶۸ھ) فرماتے ہیں:

جب نہ سلطان ہوں اور نہ ایسا حکمراں جس کی طرف سے قاضی کا تقرر جائز ہو، جیسا کہ آج بعض مسلمانوں کے ان شہروں میں ہو رہا ہے

جن پر کفار غالب آ گئے ہیں، جیسے ''قرطبہ'' ایسے بلاد کے رہنے والے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو متفق ہوکر اپنا والی بنالیں، جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا وہ خود ہی ان کے مابین فیصلہ کرے۔ (فتح القدیر: ۳۶۵/۶)

علامہ ابن نجیم مصریؒ بڑے حنفی فقہاء میں ہیں، الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ ٹھیک یہی بات انہوں نے بھی لکھی ہے۔

اور بہر حال وہ تمام شہر جہاں کفار والی ہوں (یعنی حکومت کافرہ ہو) تو وہاں جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز ہے، اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی، قاضی ہوگا، اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ مسلمان والی طلب کریں۔ (البحر الرائق: ۲۹۸/۶)

ممتاز حنفی فقیہ علامہ طحطاویؒ مجمع الفتاوی کے حوالے سے کہتے ہیں:

مجمع الفتاویٰ میں ہے (کہ ایسی صورت میں کہ) مسلمانوں پر کفار کے حکام غالب ہوگئے ہوں (یعنی حکومت کافرہ قائم ہوگئی ہو) تو مسلمانوں کو (ایسے مقام میں) جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے (اور اس وقت) مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہوگا، اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ والی مسلم کی جستجو کریں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، باب الجمعۃ: ۳۳۹/۱، ط: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت)

اخیر دور کے ممتاز حنفی فقیہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

اور بہر حال ان تمام شہروں میں جہاں کفار والی ہوں (یعنی حکومت کافرہ ہو) تو وہاں جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے، اور اس صورت میں قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا، پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے مسلم والی طلب کریں، (کافروں سے والی مسلم طلب کریں)۔ (رد المختار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم تولیۃ القضا فی بلاد تغلب علیہا الکفار: ۳۰۸/۴)

علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب میں بعض اور مواقع پر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (رد المختار، باب الجمعۃ: (۱۴) جلد ۳)

ہندوستان پر جب انگریزوں کا قبضہ مستحکم ہونے لگا اور مغلیہ حکومت مائل بزوال ہوگئی، تو اسی وقت ممتاز عالم وفقیہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (متوفی: ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء) نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتوی جاری کیا، اور مسلمانوں کے لئے نظام قضاء کے قیام کو ضروری قرار دیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

اقامت جمعہ در دار الحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد، باذن او درست والا مسلماناں را باید کہ یک کس را کہ امین و متدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت وحضور او اقامت جمعہ واعیاد و انکاح من لا ولی من الصغار وحفظ مال غائب وایتام وقسمات ترکات متنازع فیہا علی حسب السہام می نمودہ باشد۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی: ۳۴)

اگر کفار کی طرف سے مسلمان والی دار الحرب کے کسی مقام پر مقرر ہو، تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک امین اور متدین شخص کو خود ہی سردار (والی) مقرر کرلیں، جس کی اجازت سے جمعہ اور عیدین قائم کی جائیں، اور اس کے حکم سے ان نابالغوں کا نکاح پڑھایا جائے جن کا کوئی والی نہیں ہے، غائب اور یتیموں کے مالوں کی حفاظت کی جائے اور نزاع والے ترکات کو حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

عام مسلمانوں کی طرف سے اور ان کی رضامندی سے قاضی مقرر کئے جانے کے سلسلہ میں علامہ علاء الدین کاسانیؒ نے ایک اصولی بات لکھی ہے، کہ قاضی حکمراں کی ولایت اور اس کے حق کے اعتبار سے عمل نہیں کرتا، بلکہ مسلمانوں کے ولایت کی وجہ سے اور ان ہی کے حقوق کے سلسلہ میں اس کا عمل ہوتا ہے، گویا حکمراں (خلیفہ) عام مسلمانوں کی طرف سے قاصد اور واسطہ کے درجہ میں ہے، لہذا اگر کہیں خلیفہ موجود نہ ہوتو عام مسلمانوں کی طرف سے قاضی کا تقرر کافی ہوگا۔

تراضی مسلمین (مسلمانوں کی باہمی رضامندی) کا مطلب یہ نہیں ہیکہ جب تک ایک ایک مسلمان متفق نہ ہوجائیں، قاضی کا مقرر کرنا درست نہ ہو، بلکہ مسلم سماج کی کچھ ذمہ دار شخصیتوں کا متفق ہوجانا قاضی مقرر ہونے

کے لئے کافی ہے، تمام لوگوں کا اتفاق ضروری نہیں، چنانچہ ابوالحسن اصحی شافعیؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: (بدائع الصنائع، فصل واما بیان ما یخرج بہ القاضی عن القضاء: ۱۶/۷، ۴۶۰/۵)

جب امیر نہ رہے جو شرعی امور کا مرجع ومرکز ہو تو اہل حل وعقد میں تین شخص جمع ہوں اور قاضی مقرر کرلیں۔ (الفتاوی الکبری لابن حجر المکی ۳۲۶/۴)

اسی طرح فقہ شافعی کی مشہور کتاب فتح المعین میں ہے:

اگر امام مفقود ہو تو شہر کے تمام حل وعقد کی طرف سے تفویض قضاء ضروری ہے، یا بعض نے تفویض کی ہو، باقی لوگوں کی رضامندی کے ساتھ۔ (فتح المعین: طبع ثانی ص ۲۲۱)

اسی طرح ہندوستان کے علماء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں

تمام بلاد اسلامیہ کے حل وعقد کا اتفاق شرط نہیں ہے، کیونکہ ایسا اتفاق محال ہے۔ (ازالۃ الخفاء ۵)

ہندوستان میں قاضیوں کا تقرر

مسلم سماج کی دیرینہ روایت

ہندوستان میں مسلم حکومت سے پہلے قاضیوں کا تقرر

(۵) اسلام میں چوں کہ قاضی کو خاص اہمیت حاصل ہے اور مسلمانوں کے بہت سے مسائل قاضی و نظام قضاء سے مربوط ہیں، اس لئے مسلم سماج میں ہر دور میں قاضی رہا کئے ہیں، مختلف مسلم ملکوں کے علاوہ خود ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اس عہدہ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، چنانچہ ہندوستان میں ہندوراجاؤں کے عہد میں بھی قاضی ہوا کرتے تھے؛ البتہ انہیں ''ہنرمند'' کہا جاتا تھا، یہ ہنرمند جنوبی ہند میں منصف مزاج راجاؤں کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے، چنانچہ بعض عرب سیاحوں نے ''عباس ابن ہامان'' نامی ہنرمند کا ذکر کیا ہے، ہندوستان کے علاوہ ترکستان ،چین اور روم میں بھی غیر مسلم حکومتوں میں مسلمان قاضی مقرر ہوتے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے عجائب الہند کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے ۔ (عرب وہند کے تعلقات: ۷۹)

اسی طرح بھٹکل کے علاقے میں تیسری صدی ہجری یعنی آٹھویں صدی عیسوی سے جماعت المسلمین کا نظام قائم ہے، جس میں قاضی مسلمانوں کے باہمی نزاعات کا شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، جس کا ریکارڈ جماعت المسلمین بھٹکل کے پاس موجود ہے۔

عرب حکومت کے دور میں

جب مسلمان ہندوستان میں سندھ کی طرف سے داخل ہوئے، تو وہ جہاں جہاں پہنچے وہاں قاضی کا نظام بھی قائم ہوا، تیسرے مسلمان خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں حکیم ابن جبلہ ابدی سندھ کے قاضی تھے، (خلافت راشدہ اور ہندوستان: ۱۸۷، قاضی اطہر مبارک پوری)

غزنوی وغوری عہد

ہندوستان میں غزنوی اور غوری عہد میں زیادہ توجہ فتوحات پر رہی، اس لئے اس زمانہ کے قاضیوں کے بارے میں بہت تفصیل نہیں ملتی، البتہ بعض قضاۃ کا ذکر ملتا ہے، جیسے محمد شہاب الدین غوریؒ نے ناگور میں پہلے قاضی محمد بن عطاء ناگوریؒ کو اور پھر ان کے لڑکے قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو قاضی مقرر کیا۔ (نزہۃ الخواطر: ۲۲۱/۱)

غلام خاندان کا عہد

لیکن غلام خاندان کی حکومت سے -- جس کی ابتداء قطب الدین ایبکؒ سے ہوئی اور ۱۲۰۶ء میں اس خاندان کی حکومت کی بنیاد پڑی، -- بہت سے قاضیوں کا ذکر مستند تاریخی کتابوں میں موجود ہے جو ہر عہد میں قضاء کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ مشہور مؤرخ مولانا عبدالحی حسنیؒ نے نزہۃ الخواطر میں ان قضاۃ کا ذکر کیا ہے۔

خلجی عہد

اس کے بعد خلجی دور شروع ہوتا ہے جو ۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۰ء تک کے عرصہ پر محیط ہے، اس عہد میں بہت سے قضاۃ ملتے ہیں۔

تغلقوں کے دور میں

خلجیوں کے بعد ۷۲۰ھ مطابق ۱۳۲۰ء سے تغلق خاندان کی حکومت شروع ہوتی ہے، اور ۸۱۵ھ مطابق ۱۴۱۲ء پر ختم ہوتی ہے، اس دور میں بھی بہت سے قاضیوں کا ذکر ملتا ہے۔

تغلقوں کے بعد

سن ۸۱۷ھ مطابق ۱۴۱۴ء میں دہلی پر سید خاندان کی حکومت رہی لیکن بہت سے علاقے ان کی عمل داری سے باہر تھے اور وہاں علاقائی حکومتیں ہی قائم تھیں، اس دور میں بھی قضاء کا نظام پورے تسلسل کے ساتھ جاری رہا ہے۔

لودھیوں کے عہد اور مختلف علاقائی حکومتوں میں

جن مسلم خاندانوں کی حکمرانی ہندوستان میں رہی ہے ان میں ایک لودھی بھی ہے، جن کی حکومت اپنے عہد میں ہندوستان کے بیشتر علاقہ پر قائم ہوگئی تھی، اسی عہد کے قضاۃ میں قاضی عبدالرحیم سہارنپوریؒ (متوفی: ۹۶۰ھ) ہیں جو سکندر شاہ لودھی کے زمانہ میں عہدۂ قضاء پر باصرار فائز کئے گئے تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ۱۵۵/۴)

مختلف ریاستوں اور علاقوں میں بہت سے قضاۃ کا ذکر ملتا ہے، جن کا مولانا عبدالحی حسنیؒ صاحب نے نزہۃ الخواطر کی چوتھی جلد میں ذکر کیا ہے:

بیجاپور دکن

بیجاپور دکن کی ایک اہم ریاست رہی ہے، اس ریاست کے قضاۃ میں قاضی ابراہیم بیجاپوری کا ذکر آتا ہے۔ جن کی وفات ۱۰۹۴ھ میں ہوئی ہے، (فقہاء ہند: ۴۶/۴) حیدرآباد دکن کے منصب قضاء کو جنہوں نے زینت بخشی، ان میں اہم شخصیت قاضی احمد بن سلامہ جزائری کی تھی، (فقہاء ہند: ۶۴/۴) ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں بیجاپور کے منصب قضاء پر قاضی احمد بن ابو احمد حسینی بیجاپوری (متوفی: ۱۰۹۵ھ) متمکن تھے، (فقہاء ہند: ۴۳/۴) بیجاپور ہی کے قضاۃ میں قاضی محمود نائطی بیجاپوری (متوفی: ۹۹۴ھ) ہیں۔ (فقہاء ہند: ۳۶۴/۳)

مغلیہ عہد

ہندوستان میں بعض وجوہ سے مسلم حکومتوں کا زریں دور مغلیہ دور رہا ہے؛ جن کی حکومت کم وبیش ۳۰۰ر سال رہی ہے، لیکن اس میں ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا حصہ نہایت مستحکم رہا ہے؛ جس میں یکے بعد دیگرے کئی قابل باصلاحیت اور حکمرانی کے لائق بادشاہ جنم لیتے رہے؛ اسی لئے ان کے دور میں نظام قضاء بہت مستحکم تھا اور بہت اہم شخصیتیں منصب قضاء پر فائز تھیں۔

مغلیہ حکومت کا آخری زمانہ

مغلیہ عہد اور اس عہد کی ریاستی حکومتوں میں آخر عہد تک بھی فریضۂ قضاء انجام دیا گیا ہے اور جلیل القدر علماء اس عہدہ پر فائز رہے۔

برطانوی عہد کی مسلم ریاستوں میں

برطانوی عہد میں جو مختلف خود مختار ریاستیں قائم تھیں، وہاں بھی قضاۃ رہا کرتے تھے، حیدرآباد میں ۱۹۴۸ء تک نظام کی طرف سے قضاۃ مقرر ہوا کرتے تھے، ٹونک میں قضاء کا نظام قائم رہا، قاضی محمد بن عرفان رامپوری، (نزہۃ الخواطر: ۴۵۸/۷) قاضی رہے، نواب میر خاں کے عہد میں قاضی خلیل الرحمٰن رامپوی ٹونک کے قاضی رہے، (نزہۃ الخواطر: ۱۸۰/۷) ٹونک ہی کے قضاۃ میں قاضی صدیق مارہروی (متوفی: ۱۲۹۲ھ) ہیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۲۴۷/۷، فقہاء ہند: ۲۳۱/۱) ٹونک ہی کے قضاہ میں قاضی عبدالغفار ٹونکی ہیں جو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے، ۱۳۷۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۸)

ریاست رامپور کے قضاۃ میں، قاضی عبدالسلام بدایونی (متوفی: ۱۲۸۹ھ) (فقہاء ہند پاک: ۸/۲۷) اور دوسرے قضاۃ کا ذکر ملتا ہے۔ برطانوی عہد میں ریاست بھوپال کا نظام قضاء بہت ہی ممتاز رہا ہے، جو عدالت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے فسخ وتفریق سے متعلق مقدمات کی سماعت کرتا تھا، چنانچہ اس ریاست میں والی ریاست سردار دوست محمد خاں صاحب نے ۱۱۲۱ھ میں قاضی محمد معظم کو ریاست بھوپال کا قاضی القضاۃ

مقرر کیا، (تاریخ قضاۃ ومفتیان بھوپال: ۳۶، تالیف سید عابد علی وجدی حسینی) پھر اس کے بعد قاضی محمد معظم، قاضی احمد علی، قاضی حسین علی، قاضی محمد ایوب پھلتی، قاضی محمد یحیٰ، قاضی محمد شعیب، قاضی زین العابدین یمنی، قاضی محمد بشیر الدین قنوجی، قاضی محمد عبدالحق کابلی، قاضی شاہ محمد خیر اللہ، محمد شاہ کے عہد میں بھوپال کے قاضی رہے، (متوفی: ۱۱۷۵ھ) (تاریخ قضاۃ ومفتیان: ۳۶)، قاضی محمد ایوب، مولانا حکیم فخر الدین (متوفی: ۱۳۱۵/۶/۲۹ھ) یہ بھی بھوپال میں قضاء کے فرائض انجام دیئے، (حوالہ سابق: ۱۵۹) قاضی محمد محی الدین مرادآبادی، قاضی محمد حسن مرادآبادی اور معروف عالم علامہ سید سلیمان ندوی نے یہاں قضاء کے فرائض انجام دیئے۔

بھوپال کا نظام قضاء ہندوستان کی آزادی کے بعد قائم رہا؛ چنانچہ قاضی محمد رضوان الدین، قاضی محمد شعیب، مفتی عبدالہادی اور مولانا سید عابد علی وجدی آزادی کے بعد ہی کے قضاۃ ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ قضاۃ ومفتین بھوپال)

برطانوی حکومت کے تحت

برطانوی حکومت کے زیرنگرانی قضاۃ میں سید اعلی حسن موہانی: متوفی: ۱۲۸۷ھ جو جہان آباد کوڑا کے قاضی تھے، (نزہۃ الخواطر: ۶/۷) قاضی صبغت اللہ مدراسی (متوفی: ۱۲۸۰ھ) جو انگریزوں کے تحت ناگور میں فرائض قضاء انجام دیتے تھے، (نزہۃ الخواطر: ۲۴۶/۷) قاضی غلام یحیٰ بہاری: جو لارٹ ہسٹنگر کے زمانہ میں کلکتہ کے قاضی تھے اور قاضی فضل الرحمٰن بردوانی قاضی بنگال، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (نزہۃ الخواطر: ۴۰۱/۷-۴۱۷)

انگریزوں نے کلکتہ میں قاضی نجم الدین علی کاکوری: (متوفی: ۱۲۲۹ھ) کو بنگال کا قاضی القضاۃ مقرر کیا تھا۔ (نزہۃ الخواطر: ۵۲۶/۷)

عہد برطانوی کے قضاۃ میں قاضی غلام محمد چکوالی: (متوفی: ۱۳۲۵ھ) کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (نزہۃ الخواطر: ۳۷۲/۸)

برطانوی عہد سے آج تک

انگریزوں کے عہد میں جو دارالقضاء مسلمانوں نے اپنے طور پر قائم کیا یا پہلے سے قائم تھے اور باقی رہے، اور ملک کے آزاد ہونے کے بعد بھی وہ نظام اسی طرح جاری وساری رہا، ان میں دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک بھٹکل میں اور دوسرے بہار میں۔

بہار میں ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۷ھ میں انجمن علماء بہار کی تشکیل ہوئی، اور اس میں فوری طور پر سات دارالقضاء قائم کئے اور قاضی مقرر ہوئے، پھر ۱۹۳۹ء میں مشہور مجاہد آزادی مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صدارت میں بمقام پٹنہ جلسہ منعقد ہوا، جس میں امارت شرعیہ بہار کا قیام عمل میں آیا، اور دارالقضاء کا نظام امارت شرعیہ کے تحت آ گیا، اور اس کے دائرہ کو پورے صوبہ میں وسیع کر دیا گیا، یہ نظام اس وقت سے بلا وقفہ قائم ہے، پھر آزادی کے بعد بہار واڑیسہ کے علاوہ بنگال، اترپردیش، مہاراشٹر، گجرات، مدھیہ پردیش، دہلی، آندھراپردیش، کرناٹک، آسام وغیرہ میں دارالقضاء قائم ہوئے، اور مقامی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ نظام قضاء مسلم سماج کی روایتوں کا ایک ضروری حصہ ہے، جس پر ہمیشہ مسلمان عمل پیرا رہے ہیں۔

جنگ آزادی میں جو علماء شریک رہے ہیں، ان میں ایک اہم شخصیت سید احمد شہیدؒ کی ہے، انہوں نے مسلمانوں کے مشورے سے مولانا عبدالحیٔ برہانوی کو قاضی مقرر کیا تھا، پھر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ (متوفی: ۱۳۱۷ھ) نے ذمہ دار مسلمانوں کے مشورہ سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہی کو اس منصب پر فائز کیا، جس کا مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ نے ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' میں ذکر کیا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁

تاریخ تحفظ شریعت کے درخشاں تارے

وقارالدین لطیفی ندوی

یہ بات طے کی گئی کہ خبر نامہ میں تسلسل کے ساتھ ان تمام ارکان بورڈ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے جنہوں نے مختلف پہلوؤں سے بورڈ کے مقاصد کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں صرف کیں اور ہندوستان میں تحریک تحفظ شریعت کو استحکام وقوت بخشی، اس سلسلہ میں سب سے پہلے بورڈ کے سابق قائدین حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (بورڈ کے پہلے صدر) اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ (بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری) کے مختصر حالات کو افادہ عام کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔امید ہے کہ پسند کیا جائیگا۔ (ادارہ)

بورڈ کے پہلے صدر (مختصر تعارف)

- نام : **محمد طیب**
- تعلیم : دارالعلوم دیوبند سہارنپور
- تدریس : دارالعلوم دیوبند سہارنپور
- روح رواں : تحریک قیام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- بورڈ کی صدارت : بورڈ کے اجلاس حیدرآباد منعقدہ ۷/اپریل ۱۹۷۳ء آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر متفقہ طور پر منتخب ہوئے۔
- مدت صدارت : ۷/جولائی ۱۹۷۳ء تا ۷/جولائی ۱۹۸۳ء (تا وفات)
- آپ کے عہد صدارت میں بورڈ کے پانچ اجلاس عام ہوئے۔
- آپ کے دور صدارت میں بورڈ کی مجلس عاملہ کی ۱۲/میٹنگیں ہوئیں۔

خاندان نانوتوی کے روشن چراغ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر مسلمانوں کے مختلف طبقوں، مکاتب فکر اور مسلک ومشرب کے لوگوں کو ساتھ لیکر چلنے کی بے پناہ صلاحیت تھی، ایسے نازک وقت میں جب مسلمانوں کے مختلف دبستان فکر کے لوگ جمع تھے اور ان کی شیرازہ بندی ایک مشکل کام تھا، ان کی معتدل، متوازن اور دردمند شخصیت نے تمام لوگوں کے لئے ایک نقطۂ اتفاق فراہم کردیا، اور وہ باتفاق آراء بورڈ کے صدر منتخب کر لئے گئے، آخر دم تک آپ اس منصب پر برقرار رہے، اور نہایت اعتدال اور مصلحت اندیشی کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی اس سب سے بڑی اجتماعی تنظیم کو لیکر آگے بڑھتے رہے، بورڈ نے اس عرصہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ انھیں کی سربراہی میں انجام پائی ہیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے علاوہ وہ پورے انٹھاون سال تک ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر فائز رہے، اس طویل مدت میں انھوں نے ظاہری اور معنوی، تعمیری اور تعلیمی ہر لحاظ سے دارالعلوم کو ترقی دی، ہند اور بیرون ہند میں ادارہ کو متعارف کرایا، بڑی مصلحت اور دوراندیشی کے ساتھ وہاں کے ماحول کو خالص علمی اور تحقیقی بنایا اور ہر قسم کی دوسری سرگرمیوں سے اس کو علیحدہ رکھا، اس کے تعلیمی اور تحقیقی شعبہ جات میں اضافہ کیا، اور انھیں کے عہد میں دارالعلوم کا تاریخی ''جشن صد سالہ'' منعقد ہوا۔

وہ ان لوگوں میں تھے جن کے مواعظ اور خطبات شاید دنیا میں سب سے زیادہ توجہ اور انہاک سے سنے جاتے تھے، ان کے مواعظ اور تقریروں کے ذریعہ لاکھوں کی اصلاح ہوئی، ان کی تقریر میں حکیمانہ نکتہ سنجیوں اور علوم ومعارف کا ایک گنجینہ ہوتا تھا، وہ ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے، ان کی کتابوں

کی تعداد تقریباً سو تک پہنچتی ہیں، وہ علم واخلاق کا حسین امتزاج اور سنگم تھے، بے نفسی، تواضع وانکساری اور عجز وخاکساری کا نمونہ تھے، زبان وقلم کی احتیاط اور توازن کے باعث مسلمانوں کے ہر طبقے میں مقبول تھے۔

بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری (مختصر تعارف)

- نام : **سیّد منتُ اللہ**
- ولدیت: مولانا سید محمد علی مونگیریؒ
- ولادت: ۱۳؍جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ
- پہلا تعلیمی سفر : حیدرآباد ۱۳۴۲ھ
- دوسرا تعلیمی سفر : دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۸ء
- تیسرا تعلیمی سفر : دارالعلوم دیوبند ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۴ء
- جنگ آزادی میں شرکت ۱۹۳۲ء
- جنگ آزادی کی خاطر جیل گئے ۱۹۳۲ء
- بہار اسمبلی کے ممبر ۱۹۳۶ء میں منتخب ہوئے۔
- ۱۹۴۰ء سے باقاعدہ آپ پارلیمانی سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔
- ۱۹۴۲ء میں خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشیں مقرر ہوئے۔
- ۱۹۵۷ء میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت منتخب ہوئے۔
- روح رواں : تحریک قیام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- ۱۹۷۳ء میں باقاعدہ جب مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے جنرل سکریٹری اتفاق رائے سے منتخب ہوئے۔
- آپ بورڈ کے جنرل سکریٹری کے عہدہ پر ۷؍اپریل ۱۹۷۳ء تا ۱۹؍مارچ ۱۹۹۱ء تا وفات رہے۔
- آپ کے جنرل سکریٹری کے زمانے میں بورڈ کے ۹؍اجلاس ہائے عام ہوئے۔
- آپ کے جنرل سکریٹری کے زمانے میں بورڈ کے مجلس عاملہ کی ۳۱؍میٹنگیں ہوئیں۔
- ۱۹؍مارچ ۱۹۹۱ء مطابق ۳؍رمضان ۱۴۱۱ھ بوقت عشاء بروز منگل مالک حقیقی سے جاملے۔

حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید شاہ منت اللہ علیہ الرحمہ اس اعتبار سے بھی ایک ممتاز شخصیت تھے کہ وہ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے مرید وخلیفہ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی اور معتمد اول حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے فرزند ارجمند تھے، ان کی دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی اس کا اثر یہ تھا کہ وہ علوم اسلامیہ خصوصاً تفسیر، حدیث اور فقہ میں محققانہ نظر رکھتے تھے، ان کی تحریر وتقریر کا جو کچھ سرمایہ ہم تک پہنچا ہے وہ دینی علوم سے ان کی گہری واقفیت کا شاہد ہے، دینی علوم سے زیادہ اہم ان کی دینی دردمندی ہے۔

مولانا رحمانیؒ نے عالم شباب میں ہی خود کو ملک کی تحریک آزادی سے وابستہ کردیا تھا، اس راہ میں قید وبند کی صعوبت بھی برداشت کی، بہار اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے، مگر انھوں نے دیکھا کہ اسمبلی میں رہتے ہوئے وہ ملک وقوم کی بہتر خدمت انجام نہیں دے سکتے اس لئے انھوں نے استعفا دیدیا، پھر جب خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں بنے تو انھوں نے ممتاز دینی درسگاہ جامعہ رحمانی دوبارہ قائم کی، وہ امت مسلمہ کے عصری مسائل اور حالات پر گہری نظر رکھتے تھے، اس لئے ۱۹۵۴ء سے انھوں نے دینی مدارس کی تنظیم جدید اور نصاب میں اصلاح کی کوشش شروع کی، جس سے روایتی دینی تعلیم میں نمایاں اور مفید تبدیلیاں رونما ہوئیں، اپنی عملی زندگی میں کسی وقت بھی مولانا رحمانیؒ اصلاح نصاب کی فکر سے غافل نہیں رہے، یہ اس کا ثبوت ہے کہ وہ ایک بیدار مغز انسان تھے جو اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کرتا کہ زمانہ مسلسل رواں دواں ہے اور حالات میں تغیر پیدا ہوتا رہتا ہے، اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے زمانہ میں اسلام دشمن حلقوں کی طرف سے شریعت اسلامیہ (مسلم پرسنل لا) پر جو چومکھی جمع ہوئے ان کا مولانا رحمانیؒ نے ہمت، استقلال اور پوری عالمانہ شان کے ساتھ مقابلہ اور کئی معرکوں میں کامیابی حاصل کی، اور تاحیات مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے خلاف جنگ لڑتے رہے اور بالآخر ۱۹؍مارچ ۱۹۹۱ء منگل مطابق ۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو مالک حقیقی سے جاملے۔

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.